باسمہ سبحانہ

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

مجمع البحرین

خواجہ غریب نواز سید غلام حیدر شاہؒ

اور

خواجہ ابو البرکات سید محمد فضل شاہؒ

کے حالاتِ طیبہ

مؤلفہ
عبد الغنی

باسمہٖ سبحانہ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

مجمع البحرین

خواجہ غریب نواز سیّد غلام حیدر شاہؒ

اور

خواجہ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہؒ

کے حالاتِ طیّبہ

مؤلفہ

عبدالغنی

marfat.com

بصد ادب و احترام

◉

ہدیۂ عقیدت و تشکّر

بخدمت جناب سیادت مآب حضرت سید برکات احمد صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین جلال پور شریف و امیرِ حزب اللہ

○

marfat.com

بسم اللہ تعالیٰ

فہرست مضامین

نمبر شمار	مقالہ	صفحہ نمبر
۱	عنوانِ بدیع	۴
۲	حرفِ اوّل	۵
۳	خواجہ غریب نواز سید غلام حیدر شاہؒ	۶
۴	خواجہ غریب نوازؒ کا قطعۂ تاریخ	۲۳
۵	سیرتِ حضرتِ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہؒ	۳۷
۶	حضرت ابوالبرکاتؒ کے وصال پر قطعہ	۵۷
۷	بیادِ حضرت ابوالبرکاتؒ نوّر اللہ مضجعہ	۶۰
۸	خواجہ فضل شاہ شیئاً للہ	۶۳
	(از حافظ نذر حسین شادؔ فاروقی)	
۹	حسنِ اختتام	۶۵

marfat.com

عنوانِ بدیع

غالباً ۱۹۳۲ء کی بات ہے۔ حسب معمول ۵-۶ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ کو جلال پور شریف میں خواجۂ غریب نواز حضرت سید غلام حیدر شاہ صاحب قدس اللہ سرہٗ کا عرس مبارک تھا۔ مجلس لنگر شریف کی نچلی تالاب والی حویلی میں منعقد ہوئی۔ دکن کے مشہور و معروف واعظ قوال کے سخن عارفانہ حاضرین کے دلوں کو گرما رہے تھے۔ حضرتِ اعلیٰ کے درویشِ بزرگ صوفی خدا بخشؒ ساکن آدووال پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ حضرت ابو البرکات سید محمد فضل شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہٗ اپنے سجادہ مبارک پر جلوہ افروز تھے صوفی خدا بخشؒ کی زبان حقیقت ترجمان پر بار بار یہ الفاظ وارد ہوتے تھے "مجمع البحرین، مجمع البحرین"۔ ان کی خوش نصیب نگاہوں نے کوئی نظارۂ جاں افروز دیکھ لیا تھا، گریبان چاک ہو چکا تھا۔ ہاتھ زمین پر دے دے مارتے تھے۔ سر سے دستار اُتار پھینکی تھی۔ اور واعظ صاحب کیلئے آگے بڑھنا مشکل ہو چکا تھا۔

مجلسِ عرس کے بعد صوفی صاحب جامۂ تارتار کے ساتھ آنکھوں میں عجیب و غریب مستی لئے، اوپر لنگر شریف کی طرف جا رہے تھے تو یہ ناچیز ساتھ ہو گیا اور عرض کی۔ آج آپ حالتِ وجد میں بار بار مجمع البحرین کا لفظ دہراتے رہے ہیں، شفقت فرمایا کرتے تھے، کہا اس وقت سجادۂ مقدس پر حضرتِ اعلیٰ خواجہ غریب نوازؒ اور حضرت ابو البرکات دونوں پہلو بہ پہلو تجلیات کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ اللہ اللہ کیا نادر مکاشفہ تھا! صوفی صاحب کی آنکھیں کتنی مبارک تھیں۔

اس مختصر رسالے میں بھی انوار و تجلیات کے وُہی دونوں بحرِ مواج موجود ہیں، انہیں کا اجتماع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جلالپور شریف کی تمام رونقیں اسی مجمع البحرین کا کرشمہ ہیں۔ گویا آج سے اڑتالیس برس پہلے صوفی صاحب مرحوم و مغفور نے جہاں اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا تھا وہاں اس رسالے کا نام بھی تجویز کر دیا تھا۔ اس لیے بڑے فخر و ابتہاج کے ساتھ اسے صوفی صاحب کے نام نامی سے معنون کیا جاتا ہے۔

marfat.com

حرفِ اوّل

حضرتِ اعلیٰ خواجہ غریب نوازؒ اور حضرتِ ابو البرکاتؒ کے حالاتِ طیبہ کا مبارک عکس اگر ہمارے قلوب اور ہمارے اعمال پر پڑ جائے تو ہماری خوش نصیبی کا کیا کہنا۔

یہی اس رسالے کا مقصود اور منتہا ہے، لیکن یہ رسالہ "ذکرِ حبیب"، "نفحات المحبوب" اور کتاب امیرِ حزب اللہ کی جگہ نہیں لے سکتا۔ جو روح پرور بیانات اور علم افروز تفصیلات ان میں موجود ہیں وہ اس میں نہیں یہ محض اجمالی تعارف کیلئے مرتب کیا گیا ہے۔ ان بابرکت کتابوں کے مطالعہ کے بغیر جو خلا باقی رہ جائے گا، اسے یہ رسالہ پُر نہیں کر سکتا۔

ایک بات کی طرف پیر بھائیوں کو متوجہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ جوں جوں زمانہ آگے بڑھے گا، حضرت ابو البرکات قدس اللہ سرہٗ کی شخصیتِ مبارکہ زیادہ سے زیادہ روشن ہوتی چلی جائے گی۔ آئندہ نسلیں ان کے متعلق بیش از بیش معلومات حاصل کرنا چاہیں گی۔ ان کے قلم معجز رقم سے نکلا ہوا ایک ایک نقطہ گرانمایہ ہے۔ ان کے مکتوبات، خطبات، مقالات، رسائل اور حزب اللہ سے تعلق رکھنے والی چٹھیاں، اسی طرح عربی، فارسی، اردو میں کہے ہوئے آپ کے اشعار بے حد قیمتی ہیں۔ اگر انہیں محفوظ نہ کیا گیا تو زمانہ ہمیں مطعون کرے گا۔ اللہ کرے ہم اس فریضہ کو کما حقہٗ ادا کر سکیں۔

آمین ——— ناچیز مرتب

marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خواجہ غریب نواز سید غلام حیدر شاہ قدس سرہٗ العزیز

از جمالِ شمس چوں پُر نور شُد
ذرہ ذرہ از وجودش طور شُد

خواجۂ غریب نواز کی ولادت قصبہ جلال پور کیکنان ضلع جہلم میں ہوئی۔ ۳ صفر المظفر ۱۲۵۴ھ/۲۶۔اپریل ۱۸۳۸ء کی تاریخ تھی اور جمعۃ المبارک کا روز، رنجیت سنگھ کی حکومت تھی۔ سکھوں کا عروج تھا۔ ان کی چیرہ دستیوں کے واقعات عام تھے۔ مگر خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳ ذی الحج ۱۲۰۵ھ/۳ اگست ۱۹۰۱ء) نے پنجاب میں جو تحریکِ تصوف شروع کی تھی اور تونسہ شریف سے ہوتی ہوئی سیال شریف پہنچ چکی تھی اور اب اس مبارک و مسعود مولود نے جسے جوان ہو کر اپنی قدوسیت سے دوسرے قدسی الاصل بزرگوں کے ہمنوا ہو کر مزید فروغ عطا کرنا تھا اس سے اہل نظر نے دیکھ لیا کہ کاتبِ تقدیر نے سکھوں کے اقتدار کو ختم کر کے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ دنیا کا یہ حصہ بھی ہمیشہ کے لئے دارالاسلام بنے گا اور یہاں کلمۃ اللہ کی کارفرمائی ہوگی۔ بنا بریں ۳ صفر المظفر کا یہ روز سعید اسلام کے مظفر اور منصور ہونے کی نوید تھی، جو ملائکہ آسمانی کے کانوں میں تو پہنچ گئی تھی مگر زمیں باسیوں نے جسے کچھ عرصہ بعد سننا تھا۔

رُوح پرور اور جان نواز نعمتوں کو عام کرنے والے یہ فرزند حسینی سادات کے ہاں پیدا ہُوئے۔ آپ کی ولادت ہوئی تو قحط سالی دور ہو گئی اور گھر والوں کی تنگدستی کا خاتمہ ہُوا۔ آپ سید جلال الدین بخاری اور جناب مخدوم جہانیاں کی اولاد میں سے تھے۔ دادا سید سخی شاہؒ تھے، جو مقبولانِ الٰہی میں سے واقفِ اسرار بزرگ تھے۔ علاقے میں ان کا بڑا احترام تھا۔ والد سید جمعہ شاہؒ

marfat.com

تھے جو با خدا متوکل درویش تھے۔ والدہ ماجدہ حضرت سجادہ بیگمؒ کھیوہ ضلع گجرات کے ایک متقی اور سید گھرانے کی پرہیزگار خاتون تھیں۔ پیدا ہوئے تو بے وضو کبھی دودھ نہ پلایا، پرورش پا کر گود سے باہر آئے تو بے وضو کبھی آٹا گوندھا نہ برتن کو ہاتھ لگایا۔ زندگی بھر نماز قضا نہ ہوئی، تہجد گزار تھیں، اور ماہ صیام کے روزے پورے رکھا کرتی تھیں۔ سائل کبھی دروازے سے محروم نہ گیا۔ بالکل بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی والدہ کی طرح روشن ضمیر اور نیک سرشت مخدّرہ عالیہ۔

حضرت خواجہ کی عمر مبارک ابھی صرف پانچ چھ سال ہی تھی کہ جیٹھ اور اساڑھ کے مہینوں میں روزے پڑے اور والدین کے روکنے کے باوجود آپ نے بضد ہو کر روزے رکھنے شروع کر دیئے، نماز کی پابندی اسی عمر میں شروع ہو گئی۔ یہ ایک پاک خاندان کے صالح اثرات تھے اور فطرت پاکیزہ کا ثمرہ تھا۔ بچپنے ہی سے تنہائی پسندی شعار تھا۔ طفل خورد سال تھے کہ ایک عابد و مرتاض ہندو سادھو آپ کو دیکھ کر احتراماً کھڑا ہو گیا۔ اور ایک مجذوب کامل نے آپ کے متعلق بشارت دی۔ والدین نے مسنون طریقے سے تعلیم دلانا شروع کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تعلم پر بڑا زور دیا ہے۔ اسی لئے حضرت سید غلام حیدر شاہؒ کی تعلیم کی طرف حالات کے مطابق بڑی توجہ دی گئی۔ میاں خان محمد اعظم پوری اور چچا سید امام شاہ نے کلام اللہ پڑھایا۔ میاں عبداللہ صاحب چکوڑی نے فارسی اور اردو کی کتابوں کی تعلیم دی۔ اپنے استاد گرامی میاں عبداللہ چکوڑی اور ان کی اولاد کے ساتھ آپ ہمیشہ عزت اور تواضع سے پیش آتے رہے۔ جلالپور میں تحصیل علم جس قدر ممکن تھی ہو چکی تو آپ کو پنن وال میں قاضی محمد کامل صاحب کے مدرسے میں بھیجا گیا۔ یہ قصبہ چند میل مغرب میں ہے۔ اس جگہ آپ نے کتب فقہ کا درس لیا۔ ان ایام میں علم و فضل کے اعتبار سے مفتی غلام محی الدین صاحب سر آمد روزگار تھے۔ وہ ایک بار پنن وال آئے اور آپ کے بشرے سے متاثر ہو کر آپ کو کنزالدقائق پڑھاتے رہے۔ زمانہ تعلیم میں متعدد بار اصرار طور پر آپ نے اپنا نام "حیدر شاہ بادشاہ" لکھوایا کرتا تھا۔

عہد شباب شروع ہوا۔ رنگ گندم گوں تھا مگر زیادہ مائل بہ سفیدی۔ دراز قامت اور متناسب الاعضاء تھے، جسم قوی تھا۔ چہرہ نورانی، آنکھیں مثل بادام خوبصورت، ابرو ہلال عید کی مانند، دندان

marfat.com

مبارک، پاکیزہ اوصاف، گردن بلند، رنگ سانولا، سیاہ بال، آنکھوں میں چمک، روشن چہرہ یعنی حسن مردانہ کا ایک پاکیزہ نمونہ تھے۔ انکے والد صاحب نے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ یاد رکھیں، پیغمبر برحق کے ارشاد کا مطلب ہے۔ اے حیدر! اگر اللہ پاک کی حفاظت کرو گے تو دنیا میں وہ تمہاری طرح برگزیدہ ہو گے"۔

آپ عفت و عصمت کا پیکر تھے۔ ایک بار فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد مسجد سے باہر نکل رہے تھے تو ایک عورت نے بازو سے پکڑ لیا۔ جھٹکے سے بازو تو چھڑا لیا مگر اس بات پر تل گئے کہ جو حصہ غیر محرم عورت کی گرفت میں آیا ہے اسے کٹوا دیتے ہیں۔ مگر یکایک ایک بزرگ مجذوب آ گئے۔ انہوں نے بمشکل یہ کہہ کر روکا کہ ایسا کرنے میں ترکِ شرع کا خوف ہے۔ کلمہ شہادت پڑھ کر بازو پانی سے دھو لیا جائے۔

پندرہ سولہ سال کی عمر میں ماموں زاد لڑکی سے آپ کی شادی ہو گئی۔

آپ کی عمر کے سترہ سال ختم ہوئے تو آپ کے والد صاحب وفات پا گئے۔ آخری سانس تھے تو انہوں نے پاس بلا کر وصیت کی کہ کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دینا، بڑوں کا ادب ملحوظ رکھنا اور چھوٹوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا، اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور فیض باطنی حاصل کرنے کے لئے سید میراں شاکر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر روزانہ حاضری دینا۔ میراں شاکر شاہ، شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے خلف اکبر تھے۔ جن کا مزار لاہور میں اکبری اور دہلی دروازہ کے درمیان ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ حضرت میراں شاکر شاہ کی خانقاہ جلال پور سے دو میل کے فاصلے پر پہاڑی پر ہے اور راستہ بھی پہاڑوں کے درمیان سے گزر کر جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے وہاں روزانہ حاضری شروع کر دی اور بعد عشاء واپس تشریف لاتے۔ کئی بار آپ رات بھر وہاں رہے اور ذکر و فکر اور مراقبے میں محو رہتے تھے۔ اس طرح جانے اور آنے میں کئی عجیب و غریب واقعات بھی رونما ہوتے۔
ان ایام میں اپنے دادا بزرگوار سید یحییٰ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی تصرفات خصوصی طور پر آپ کی خبر گیری اور حفاظت کرتے رہتے تھے۔ آپ ویسے بھی پہاڑ کی غاروں میں رات کو عبادت کے لئے چلے جایا کرتے تھے۔

اس زمانے میں مسافروں کی بلا تمیز خدمت کرنا اور انہیں کھانا کھلانا آپ کا معمول تھا۔

marfat.com

کبھی گھر سے نہ ملتا تو قرض دام لینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے اور اہل محلہ کے گھروں سے مانگ کر لے آتے۔ ایک بار مہتمم بندوبست نے جلال پور میں قیام کیا۔ سکھوں کی حکومت کے خاتمے کے بعد انگریزوں کی عملداری تھی۔ اہل غرض کا ہجوم رہتا تھا اور آپ خالصتہً اللہ آنے جانے والوں کی خوراک کا انتظام فرمایا کرتے تھے۔ یہ دراصل عالم الغیب کی طرف سے اس وسیع لنگر شریف کا اعلان تھا جو حصولِ خلافت کے بعد آپ نے شروع کرنا تھا۔ مہتمم بندوبست کو جب پتہ چلا کہ ایک نیک بخت سید زادے پر مفت کا بوجھ پڑ رہا ہے جو ہندو ساہوکاروں سے قرض لے کر لوگوں کی خاطر مدارات کرتا ہے تو اپنا کیمپ اٹھا کر ہرن پور چلا گیا۔

اس طرح خدمتِ خلق، سخاوت، عبادت اور خانقاہ شریف پر باقاعدہ حاضری کا سلسلہ جاری تھا تو ایک شب جب آپ حسب معمول حضرت سید میراں شاکر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ فیضِ پناہ پر حاضر تھے تو اچانک آپ کو ارشاد ہوا کہ سید غلام شاہ صاحب ہرن پوری سے جا کر ملو۔ یہ قصبہ جلالپور سے مغرب میں موجود ہے۔ والدہ ماجدہ نے آپ کو وہاں جانے اور حتیٰ کہ سید غلام شاہ صاحب کی بیعت کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ کیونکہ وہ بڑے صاحبِ تصرف بزرگ تھے اور ان کا بڑا چرچا تھا۔ مگر انہوں نے کہا میں اس قابل نہیں آپ کی بیعت طے شدہ امر ہے، آپ کو میں خواجہ شمس الدین سیالوی کی خدمت میں لے جاتا ہوں جو آپ جیسے شہباز کی انتظار میں ہیں۔

سیال شریف پہنچے، حضرت خواجہ شمس العارفین نور اللہ مضجعہ نے آپ کو دیکھا اور تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ واقفِ اسرار نگاہ نے اس نورِ ازلی کو دیکھ لیا جو اس نوخیز سید زادے کی جبینِ مبارک اور پیکرِ اطہر میں جلوہ کناں تھا۔ یہ ۷ رجب المرجب ۱۲۷۱ھ/ ۲۶ مارچ ۱۸۵۵ء دوشنبہ کا روز تھا خواجہ غریب نواز سید غلام حیدر شاہ کی عمر مبارک اس وقت صرف سترہ سال تھی۔ حضرت خواجہ شمس العارفین ستاون (۵۷) سال کے عارفِ کامل تھے اور خواجہ نور محمد مہاروی اعلیٰ اللہ مقامہ کی سنت پر عمل کر رہے تھے۔ جنہوں نے خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کو اسی طرح کم سنی میں دولتِ عرفاں سے نوازا تھا۔ اس سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بزرگوں کی نگاہ رسا کا اندازہ لگائیے۔ سید غلام شاہ صاحب

marfat.com

نے عرض کیا، حضور! یہ سیدزادے آپ کی بعیت کے دلدادہ ہیں۔ شمس العارفینؒ پہلے سے تیار تھے۔ نگاہ محبت ڈالی اور بیعت فرما لیا۔

جس شفقت و محبت اور فیاضی کے ساتھ بیعت کی مبارک تقریب انجام پائی تھی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ قلب و روح کی عجیب کیفیت ہو گئی۔ ہم اس قابل نہیں کہ ان مدارج علیا کی طرف اشارہ کر سکیں جو خواجہ غریب نواز نے اپنے مرشد کامل کی توجہ سے بڑی سرعت کے ساتھ طے کرنے شروع کر دیئے آپ کے وطن مالوف کا نام اب جلال پور کیکنان سے جلال پور شریف ہو گیا۔ گھر واپس پہنچے مگر ایک دن ہی ٹھہرے تھے کہ دل بیتاب ہو گیا۔ اور اگلے روز سیال شریف روانہ ہو گئے۔ پھر یہ صورت ہو گئی کہ مہینے میں دو تین بار ضرور جاتے ایک بار اپنے چچا سید امام شاہ ساتھ تھے۔ واپسی کی اجازت چاہی تو حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا آپ کے چچا جانا چاہتے ہیں تو اجازت ہے آپ ٹھہریں۔ چچا کی نسبت یہ، آپ کیلئے بہتر ہوں۔ واقعی اب خون کا رشتہ کیا حقیقت رکھتا تھا۔

اب تو معنوی رشتہ ایسا استوار اور اتنا معجز نما ہو چکا تھا کہ اس کی مثالیں صرف سلف صالحین میں ملتی ہیں۔ کہتے ہیں جب شیخ کی قدم بوسی سے چھٹی بار مشرف ہوئے تو آپ کو خرقۂ خلافت اور اجازتِ بیعت کا شرف عطا ہوا۔ بڑی دیر تک شیخ طریقت اور مرید باصفا خلوت میں آمنے سامنے بیٹھے رہے کوئی گفتگو نہ ہوئی مگر تاثیرِ نگاہ سے اپنے محبوب مرید کو سرشار کر دیا۔ خواجہ غریب نواز جب جلوت میں آئے تو محویت و استغراق کا عجیب عالم تھا۔ اس وقت بیعت و تلقین کے آدابِ ظاہری سکھائے گئے دستار کی جگہ چار ترکی ٹوپیاں عطا ہوئیں۔ عمر مبارک بیس بائیس سال سے کیا زیادہ ہو گی۔[1] ایک بار

---

[1] حضور کے سیرت نگار ملک محمد الدین قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ مہینے میں دو تین بار سیال شریف حاضری ہوتی تھی۔ چھٹی بار گئے تو خلافت عطا ہوئی۔ اس طرح اس وقت عمرِ مبارک بمشکل اٹھارہ سال بنتی ہے"۔ آگے جا کر لکھتے ہیں کہ:

"عطائے خدمت" صحیح روایت کے مطابق بیعت سے چار پانچ سال بعد ہوئی۔ یعنی اس وقت حضور کی عمر اکیس بائیس سال بنتی تھی۔

marfat.com

خواجہ شمس الدین سیالوی علیہ الرحمۃ نے انہیں اپنے پاس ایک ماہ ٹھہرا کر مرقع شریف اور کشکول وغیرہ کتبِ تصوف کی تعلیم دی۔ خود کابل وغیرہ تک سفر کر کے علوم میں کمال حاصل کیا تھا۔ اس لئے توجہاتِ باطنی کے ساتھ اپنے محبوب مرید کو نکات تصوف بھی بڑی عمدگی کے ساتھ سکھائے اور تکمیلِ فقر کرائی۔

جلال پور شریف میں عطائے خلافت کے بعد جو انقلاب رونما ہوا اس کا ذکر بعد میں آرہا ہے۔ پہلے یہ بتایا جاتا ہے کہ سیال شریف کے ساتھ خواجہ غریب نوازؒ کی نیازمندی کا کیا عالم تھا اپنے کریم الطبع مرشدِ طریقت پر آپ قربان تھے اور بدرجہ غایت ادب کرتے تھے کبھی ان کے سامنے کوئی بات نہ کہی۔ سیال شریف کے بغیر کہیں اور نہ گئے اور نہ کسی اور بزرگ سے سروکار رکھا۔ دو ایک بار کہیں گئے تو پیر خانے کے حکم کی تعمیل میں ایک دفعہ سیال شریف حاضر ہوئے تو لوگ انبوہ در انبوہ ایک ایسے شخص کے اردگرد جمع ہو رہے تھے جس نے اپنے آپ کو غوث ظاہر کیا تھا۔ خواجہ شمس العارفینؒ نے آپ سے پوچھا کیا آپ نے اس غوث کی زیارت کی ہے، عرض کیا حضور کو اپنا رہبر اور ہادی بنانے کے بعد کسی اور سے کیا مطلب؟ اوچ کے ایک مخدوم زادے سادات کے شجرے درست کرتے کرتے ظلماق سے جلال پور شریف پہنچے۔ آپ نے اپنی شرافت اور نجابت کے اظہار سے اعراض کیا اور خموشی اور فخر کے ساتھ اپنا سلسلہ خواجہ بیالویؒ اور خواجہ تونسویؒ سے قائم کیا۔ ایک دفعہ سیال شریف میں مکان کی تعمیر کا کام شروع تھا۔ سر مبارک پر اینٹ اور گارا رکھ کر آپ راجوں کو دینے لگ گئے۔ خواجہ شمس العارفین ادھر سے گزرے تو فرمایا: مکھن آپ پہلے لے چکے ہیں، چھاچھ دوسروں کے لئے رہنے دیں۔ سیال شریف کی تقدیس کا بڑا احترام تھا۔ وہاں پا برہنہ چلا کرتے تھے۔ رات کو چارپائی پر کبھی آرام نہ فرمایا، فرش پر بستر ہوتا۔ رفع ضروریات کیلئے ڈیڑھ میل باہر تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ گھوڑے پر سفر کیا۔ سیال شریف سے چار میل دور اتر پڑے اور پا پیادہ حاضر ہوئے۔ جب کوئی شخص سیال شریف کے لئے روانہ ہوتا تو رخصت کرنے کے لئے چند قدم ساتھ چلتے اور تعظیم و تکریم فرماتے۔ ایک ہندو

marfat.com

لڑکے نے کہا سیال قوم سے ہوں۔ آپ احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے اور خاصی مقدار میں بتاشے پیش کئے۔ قلبی اور معنوی محبت کا عجیب رنگ تھا۔ سیال شریف کی یہ نیازمندی آپ کی مبارک اولاد کا اب تک خصوصی شیوہ ہے۔

حضرت خواجہ شمس العارفینؒ کی طرف سے بھی اتحاد و یگانگت کا رشتہ اور رابطہ انتہا درجہ کا روح پرور اور دل نواز تھا۔ حضرت صاحب سیالویؒ آپ کی آمد کے منتظر رہا کرتے تھے۔ حاضر ہوتے تو اٹھ کر سینے سے لگاتے، پیشوائی فرماتے، آپ محجوب ہوتے مگر پھر بھی حضور کا اصرار جاری رہتا۔ جلال پور شریف کی طرف کے لوگ بیعت کے لئے حاضر ہوتے مگر شمس العارفینؒ فرماتے شاہ صاحب کی خدمت میں جائیں، ان کی بیعت اور ہماری بیعت میں فرق نہیں حضرت خواجہ محمد الدین کی شادی ہوئی تو برات کے ساتھ آپ کو قائم مقام کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ کم نظری کے باعث کوئی آکر آپ کی شکایت کرتا تو شمس العارفینؒ سخت برا مناتے۔ ایک بار خواجہ غریب نوازؒ بیمار ہوئے تو سیالوی حضورؒ بے قرار ہو گئے۔ درگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ شاہ جی کو صحت عاجلہ و کاملہ عطا ہو۔ میری عمر بھر کی کمائی یہی ہے۔

جلال پور شریف میں سب سے پہلے مردوں میں سے مولوی علی محمد صاحب ساکن گلانوالہ آپ کے مرید ہوئے اور عورتوں میں آپ نے سب سے پہلے اپنی والدہ مکرمہ کو بیعت فرمایا۔ عبادت و ریاضت کے آپ شروع سے عادی تھے۔ اب مشائخ چشت کی سنت کے مطابق اوراد و وظائف مختلف اوقات کے نوافل، نمازِ تہجد، تسبیحات مختلفہ کا آغاز اس اہتمام اور پابندی سے فرمایا کہ اچھے اچھے اہل فقر دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ مزاج میں لطافت، نظافت، نفاست بدرجۂ کمال تھی۔ ذکر و فکر کی مداومت نے انہیں فی الواقعہ نور مجسم بنا دیا۔ آپ کے تقدس اور فیوض باطنی کی شہرت پھیلنے لگ گئی۔ طالبانِ رشد و ہدایت فوج در فوج پہنچنے لگ گئے۔ علماء اور فضلاء حاضر ہو رہے تھے۔ امراء اور حکام ادنیٰ نیازمند بن کر آتے اور شرف بیعت حاصل کرتے۔ عوام کا تانتا بندھا رہتا۔ زیارت سے مشرف ہوتے اور عشق الٰہی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لگن دل میں لے کر واپس ہوتے۔ حضور کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، زندگی کے تمام امور کتاب اللہ اور سنت مبارکہ

marfat.com

کے مطابق طے پاتے تھے۔ حضور کا نمونہ ہر لحاظ سے آنے جانے والوں کی زندگی کو ایک پاکیزہ سانچے میں ڈھال رہا تھا۔ جس میں روحِ فقر کی تڑپ رہتی تھی۔ شام اور پچھلی رات تکبیر و تہلیل کی آواز فضا میں پھیل جاتی تھی۔ لوگ اس ذوق و شوق سے ذکر کیا کرتے تھے کہ کیا کہنا۔ دین اور شریعت کو نئی زندگی ملی۔ یہ مبارک اثرات دیار و امصار میں پھیل گئے۔ بظاہر حکومت انگریز کی تھی لیکن لوگوں کو پختہ یقین ہو چکا تھا۔ بوریائے فقر پر جو بزرگ بیٹھے ہیں حقیقی حکومت ان کی ہے۔ حضور کے فقر کا جلال برداشت کرنا مشکل تھا۔ تصرف اتنا تھا کہ حیوان سے انسان کا کام لے سکتے تھے۔ شجر و حجر باد و باراں مطیع و منقاد تھے۔ زبان مبارک سے جو بات نکلتی، پوری ہو جاتی تھی۔ دعائے خیر فرماتے اور حاجات کی تکمیل ہو جاتی۔ جن لوگوں کی فطرت بلند تھی وہ حضور کے نفسِ گرم کی برکت سے مدارجِ فقر طے کرتے اور خلعتِ خلافت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ ان باتوں کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

فتوحات کا سلسلہ جلد ہی شروع ہو گیا تھا۔ لنگر سے آپ کی طبع مبارک کو ازلی مناسبت تھی۔ اس کا مستقل انتظام بھی جلد ہوا۔ ہر قسم کے کام انجام دینے والے اصحاب مقرر ہوئے۔ حضور کا قائم کردہ لنگر شریف اب بھی جاری ہے۔ جس کھلے دل سے اب بھی کھانا دیا جاتا ہے۔ یہ حضور کی وسیع النظری کا بیّن ثبوت ہے۔ آپ مختلف عرس مناتے تھے۔ لیکن سب سے بڑا عرس، ۲۷ صفر کو خواجہ محمد سلیمان تونسوی کا منعقد ہوتا تھا۔ قوالی، مزامیر کے بغیر ہوتی تھی۔ مہمانوں کے لئے مکانات کی ضرورت تھی، تعمیر ہونے لگ گئے۔ تعمیرات کا خاص ذوق آپ کے فرزند سید مظفر علیشاہ کو ودیعت ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ اس طرح نظر آنے لگا کہ تمام قصبے کی ہیئت بدل گئی ہے۔

فلسفہ تاریخ پر عبور رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ جب روحانیت کو اس طرح فروغ حاصل ہوتا ہے تو اس کے پاکیزہ اثرات کی بدولت لوگوں کو ذہنی بالیدگی بھی نصیب ہوتی ہے۔ خواجہ غریب نواز رح کی ردائے فقر کے نیچے مؤرخ، مصنف، شاعر اور ادیب پرورش پانے لگے۔ حضور کے اخلاقِ کریمانہ کا ذکر زبانوں پر تو عام تھا۔ قلم کے ذریعے بھی والہانہ انداز میں عربی، فارسی، اردو اور پنجابی کی نظم و نثر میں لکھنے لگا اور کئی تصنیفات سامنے آئیں جن میں حضور کے روحانی کمالات، مکاشفات، ملفوظات

marfat.com

اور علم و فضل کا بیان ہوتا۔ حضور کے خوارق عادات واقعات قلمبند ہوتے تھے۔ لوگ آپ کی استقامت و قناعت اور غنائے قلب، فراست و فہمید، مسکین نوازی اور غریب پروری، مروت و شفقت، پابندی اوقات، عبادت و ریاضت، صبر و شکر، اخفائے راز اور عدم شہرت پسندی کو دیکھتے تھے اور رطب اللسان ہوتے تھے۔ آپ عذب البیان اور شیرین لسان تھے۔ کلام جامع اور مانع ہوتا تھا۔ گفتگو کرتے ہوئے برمحل احادیث، آیات، روایات، فارسی، اردو، ہندی کے اشعار زبان مبارک پر جاری ہو جاتے تھے۔ آپ کے ملفوظات نفحات المحبوب کے نام سے فارسی میں مرتب ہوئے۔ آپ کے ایک نیازمند ملک محمد الدین نے پنڈی بہاؤالدین میں صوفی پبلشنگ ہاؤس کے نام سے طباعتی ادارہ قائم کیا جس کی علمی اور ادبی خدمات سے برصغیر کے تمام اہل علم بخوبی آگاہ ہیں۔

آپ نے بالخصوص صاحب زادگان والا تبار کی تعلیم کیلئے جلال پور شریف میں درس کا انتظام کیا۔ جید علماء منگوائے گئے۔ دیگر طلباء بھی شریک درس ہوتے تھے۔ یہ درس اب باقاعدہ جامع العلوم کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس کی عمارت تعمیر کرنے کے لئے آپ نے موجودہ سجادہ نشین حضرت سید برکات احمد شاہ صاحب مدظلہ العالی کو خواب میں واضح ہدایات ارشاد فرمائیں۔

آپ کو صدمات بھی برداشت کرنے پڑے۔ پہلے والدہ ماجدہ وفات پا گئیں جن کے آپ بیحد ممنون احسان تھے۔ اس کے بعد سب سے بڑے صاحبزادے سید بدیع الزمان کا ۲۱ سال کی عمر میں، شعبان ۱۲۹۵ھ/۷ اگست ۱۸۷۸ء کو وصال ہو گیا۔ تمام انتظامات وہی کر رہے تھے۔

آپ کے لئے حضرت خواجہ شمس الدین قدس سرہٗ العزیز کا ۲۴ صفر ۱۳۰۰ھ/۴ جنوری ۱۸۸۳ء کو وصال صدمہ جانکاہ تھا۔ باہمی محبت و یگانگت کا ذکر سطور بالا میں ہو چکا ہے۔ اپنے ہادیٔ طریقت اور رہبرِ حقیقت کے سایہ عاطفت میں آپ نے غیر معمولی ظاہری اور باطنی فیوض و برکات اور صوری و معنوی کمالات حاصل کئے تھے۔ ۲۹ سال کے طویل عرصہ تک یہ سایہ سر پر قائم رہا تھا۔ اس لئے خبر ملتے ہی طبیعت پر بے خودی طاری ہو گئی۔ چھ سات روز تک کھانا مطلق نہ کھایا، طبیعت میں سکون آیا تو

marfat.com

ایک ہفتے کے بعد سیال شریف حاضر ہوئے روضہ شریف کی تعمیر میں خاص حصہ لیا اور جلال پور شریف میں پورے آداب اور اہتمام سے چالیسویں کی رسم ادا کی۔

خواجہ شمس العارفینؒ کے وصال کے بعد چھبیس سال تک آپ اپنے ظاہری فیوض اور روحانی برکات ہر طرف پھیلاتے رہے۔ سلسلہ عالیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ لنگر شریف بڑا ترقی پذیر ہوا۔ جلال پور شریف مرجعِ خاص و عام بن گیا۔ آپ سیال شریف اپنے کریم شیخ کے عرس مبارک میں شامل ہوتے رہتے تھے۔ ادب آداب بدستور ملحوظ رہے۔ روضہ شریف بنا تو اندر حاضری کے وقت فرطِ ادب سے عمارت کی فنی خوبیاں دیکھنے کے لئے کبھی نگاہ تک نہ اٹھائی۔ سیال شریف جاتے، آتے انہیں مقامات پر قیام فرماتے جہاں پہلے ٹھہرتے تھے۔ توحید مطلب میں معمولی سا فرق بھی نہ آنے دیا۔

۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں تونسہ شریف کا سفر اختیار کیا۔ اور وہ بھی حضرت خواجہ محمد الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے آخری سفر سیال شریف کے موقع پر ایک اور مقام پر بھی گئے۔ اور وہ بھی ان کا حکم تھا۔

آپ کا کوئی وقت اور کوئی لمحہ ذکر الٰہی سے خالی نہ گزرتا تھا۔ علی الصباح استنجا اور طہارت سے فارغ ہو کر لکڑی کی چوکی پر وضو فرماتے اور مصلے پر بیٹھ جاتے۔ اسمائے الٰہی کا ورد فرما کر دو رکعت نماز سنت فجر ادا فرماتے اور مسجد میں جا کر نماز باجماعت پڑھتے۔ پانچوں وقت کی نماز کے بعد دس مرتبہ درود شریف، دس مرتبہ سورہ اخلاص اور ستر مرتبہ **یا وھاب** پڑھتے۔ نمازِ فجر کے بعد سبعات عشر پڑھتے اور کچھ تسبیحوں کے اوراد۔ پھر جو شخص بیعت کے لئے آتا اسے بیعت کرتے۔ جو رخصت چاہتا دعائے خیر کے ساتھ رخصت فرماتے۔ نوافل اشراق پڑھ کر وظائف دیر تک پڑھتے رہتے۔ ضحیٰ کے وقت نوافل ضحیٰ پڑھ کر کھانا تناول فرماتے۔ ازاں بعد ایک مجلس عام ہوتی جس میں ہر کہ و مہ شریک ہو سکتا تھا۔ پھر کبھی کبھی قیلولہ فرماتے۔ ظہر کی نماز کسی قدر تاخیر کے ساتھ پڑھ کر قرآن مجید کی تلاوت ترتیل اور قرأت سے فرماتے اور نماز باجماعت گزارتے۔ پھر چند وظائف اور مسبعاتِ عشر وغیرہ پڑھتے مغرب کی نماز بھی باجماعت تجدیدِ وضو کے ساتھ ادا کرتے۔ اس کے بعد نوافل اوابین حفظ الایمان اور

marfat.com

سوموار کی رات کو صلوٰۃ السعادت اور کبھی کبھی صلوٰۃ تسبیح بھی پڑھا کرتے بعد ازاں چند وظائف و تسبیح ہوتے اور مراقبہ فرماتے۔ اور ختم خواجگانِ چشت پڑھتے اور بیعت فرماتے۔ لنگر تیار ہو جاتا تو دعائے خیر اور اجازت تقسیم فرماتے۔ خود حرم خانہ میں تشریف لے جا کر کھانا تناول فرماتے۔ کچھ دیر کیلئے باہر آ کر چارپائی پر آرام فرماتے اور سعادت مند پاؤں دلبنے کا شرف حاصل کرتے، ہر قسم کی گفتگو ہوتی جب رات کا تیسرا حصہ گزر جاتا تو نماز باجماعت ادا فرماتے۔ اور ضروری اوراد پڑھ کر آرام فرماتے۔ رات کا کافی حصہ باقی ہوتا تو حضور انور بیدار ہو کر نمازِ تہجد خواجگانِ چشت کے معمول کے مطابق ادا فرماتے اور پھر مصلے شریف پر بیٹھ کر تسبیح پر ورد خوانی ہوتی رہتی۔ سنگ مرمر کی ایک چوکور سِل تیمم کے لئے موجود رہتی تھی۔ جمعہ کے روز غسل اور حجامت معمول تھا۔

حضور کی وضع قطع درویشی تھی۔ کلاہ چارترکی سر پر پہنتے۔ سرما میں روئی کی گرم ٹوپی ہوتی تھی گرمی میں سفید ململ کا کرتہ اور لٹھے کا تہ بند، سرما میں باناتی کوٹ ہوتا اور پشمینے کا کابلی دھسہ دوش اقدس پر ململ کا دوپٹہ ہوتا تھا اور پاؤں میں جہلمی سادہ سا ہوتا۔ ۱۰ رمضان المبارک ۱۲۹۴ھ/۱۸ ستمبر ۱۸۷۷ء کو صوفی نور عالم شمس پوری جہلمی حضور کی زیارت سے فیض یاب ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔

جمالی دیدم از گفتن بروں بود — مپرس از ما تو کیفیت کہ چوں بود
کلاہی بود بر سر ترک چارش — خطِ حمرای و سرخ اندر کنارش
بلورین بدنش اندر لبس کافور — چو شجرِ طور بُد نورٌ علی نُور

سبحان اللہ! سبحان اللہ!!!

وصول الی الحق اور عرفانِ الٰہی کے مدارجِ علیا طے کرنے کی خاطر زندگی کو ایک اہم ترین اور انتہا درجہ کا مقدس فریضہ سمجھ کر آپ اپنے اوقاتِ عزیز گزار رہے تھے۔ حسرت تھی کہ اللہ تعالیٰ پوتے عنایت فرمائیں۔ ۴ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ/۳ نومبر ۱۸۹۴ کو آپ کے فرزندِ سید مظفر علی شاہ کے گھر سید محمد فضل شاہ کی ولادت ہوئی۔ حضرت قبلۂ عالم نہایت مسرور ہوئے۔ ۲۵ شعبان ۱۳۱۴ھ/۲۹ جنوری ۱۸۹۷ء کو ان کے چھوٹے بھائی سید مہر شاہ پیدا ہوئے۔ یہ دونوں پوتے آپ کو بڑے عزیز تھے اور آپ

marfat.com

کی دعاؤں سے بڑے بلند اقبال ہوئے۔ زندگی اسی طرح ایک خوش رفتار دریا کی طرح رواں تھی کہ آپ کے فرزند عزیز سید محمد قائم الدین شاہ جو حسنِ ظاہری کے لحاظ سے یوسف ثانی اور صفات باطنی کے اعتبار سے مثلِ عیسیٰ تھے۔ ۲۱ رجب ۱۳۱۶ھ/ ۲۵ نومبر ۱۸۹۸ء کو ۲۱ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ شادی ہوئے ابھی دو سال ہوئے تھے۔ اس سانحۂ ہوش رُبا اور حادثۂ روح فرسا کی آپ کو خبر ملی تو تسبیح ہاتھ سے گر پڑی مگر فوراً سنبھل گئے۔ تین مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ فرمایا اور سر سجدے میں جھکا دیا۔

صفر ۱۳۲۵ھ/ مارچ اپریل ۱۹۰۷ء میں جلال پور شریف میں طاعون کی وبا پھیلی۔ اس کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ اس سے آپ کے کوہ وقار فقر کی عظمت نگاہوں کے سامنے آتی ہے دوسرے مآخذ کے علاوہ راقم السطور نے وہ خطوط بھی پڑھے ہیں جو صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب نے ان ایام میں اپنے استاد گرامی مولانا عبدالرحیم ساکن کڑی شریف کو لکھے اور ان میں اس وبا کا حال بھی درج فرمایا۔ روزانہ تعداد اموات چالیس تک پہنچ گئی۔ ہوا سخت متعفن تھی۔ لوگ گھروں کو چھوڑ گئے اور قرب وجوار کی آبادی ویران ہو گئی۔ خیر خواہانِ سرکار نے رائے دی کہ آپ بھی باہر باغ میں تشریف لے جائیں مگر آپ توکلاً علی اللہ صبر و تحمل اور تسلیم و رضا اختیار کر کے مع جمیع متعلقین اپنے مکان ہی پر رونق افروز رہے۔ ایک روز حفظان صحت کے خیال سے صاحبزادہ صاحب نے گھروں میں گوگل کا دھواں دیا۔ آپ کو بو آئی تو آپ نے فرمایا۔ دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں یا تو گوگل سلگاؤ اور توکل چھوڑ دو یا توکل اختیار کرو اور گوگل چھوڑ دو۔ متعفن گلیٹوں والے مریض آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ اُن پر سے کپڑا ہٹا کر دم ڈالتے اور شفقت آمیز کلمات اور دعائے خیر سے تسکین دیتے۔ صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا باشندگان گرد و نواح سے کہدیا جائے کہ طاعون کی شدت کے زمانہ میں اپنے اپنے گھروں میں بیٹھیں اور یہاں نہ آئیں۔ آپ نے فرمایا میں کیونکر منع کر سکتا ہوں۔ وہ رنج و مصیبت میں میرے پاس پناہ

marfat.com

کیلئے آتے ہیں۔ اگر انہیں دنیا کے رنج و مصیبت میں چھوڑ دوں تو انہیں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ عقبیٰ میں ان کی نجات کا وسیلہ بنوں گا۔

خداوند کریم کی ایسی مہربانی ہوئی کہ لنگر شریف کا ایک آدمی بھی طاعون کا شکار نہ ہوا۔ وبا کے ایام میں، ۲۰ صفر کو خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کا عرس حسب معمول منعقد ہوا۔ تقریباً بارہ ہزار آدمی جلال پور شریف میں وارد ہوئے۔ لیکن حضرت محبوب سبحانی کی برکت و کرامت سے کسی شخص کو اس مہلک مرض کی شکایت نہ ہوئی۔

حضرت محبوبِ سبحانیؒ کے نورانی وجود کی وجہ سے جب جلال پور شریف نہایت ہی متبرک اور مقدس مقام بن چکا تھا۔ حضور نے ۲۰ صفر ۱۳۲۶ھ / ۲۴ مارچ ۱۹۰۸ء کو سیال شریف کا آخری سفر اختیار فرمایا۔ حضرت خواجہ شمس العارفینؒ کے عرس مبارک کا موقع تھا۔ چند سال سے آپ اس تقریب سعید میں شامل نہیں ہوتے تھے۔ رستے میں جہاں جہاں سے آپ گزرے لوگ ہزار دو ہزار آپ کی زیارت کے لئے موجود ہوتے تھے۔ صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحبؒ آپ کے ہمراہ تھے۔ جن کی عمر مبارک اب چودہ سال ہو چکی تھی۔ ان کی تعلیم و تربیت کی طرف آپ کی خصوصی توجہ تھی۔ اس سفر میں بھی یہ بات ملحوظ خاطر رہی۔ ہرن پور میں آپ سید غلام شاہ مرحوم کے مزار پر گئے اور حبیب مبارک سے رقم فراواں ان کے روضے کی مرمت کے لئے دی۔ یہ آپ کی احسان شناسی اور وفاداری کا ثبوت تھا۔ ہرن پور سے خوشاب تک ریل کا سفر تھا۔ ہر سٹیشن پر زائرین کا اجتماع عظیم ہوتا تھا۔ ہرن پور سے خوشاب تک دریا کے ذریعے کشتی پر سفر کیا۔ سیال شریف پہنچے تو عشاء کا وقت تھا۔ لوگوں کے بے پناہ ہجوم نے آپ کو گھیر لیا۔ صاحبزادہ سعد اللہ صاحب ولد خواجہ محمد الدین صاحب سجادہ نشین سیالوی چھڑی سے لوگوں کو بھگاتے تھے مگر بسبب کثرت چوں آب دریا باز متواصل میشدند۔ آپ کے انوار و تجلیات کو دیکھ کر شور مچ گیا۔ خواجہ شمس العارفینؒ زندہ ہو گئے۔ بصد مشکل روضہ شریف تک پہنچے۔ اندر داخل ہو کر فاتحہ خوانی کی اور مزار مقدس کا طواف کیا۔ حال و کیف بیان سے باہر ہے۔ حضرت سجادہ نشین

marfat.com

بیماری اور نقاہت کے باوجود درویشوں کے کندھوں کا سہارا لے کر دروازے تک استقبال کے لئے آئے۔ حضرت محبوب سبحانی پوری طرح آداب بجالائے، نذر پیش کی احترام کا یہ عالم تھا کہ ادھر سے جو سوال ہوتا۔ اس کے جواب سے ایک لفظ بھی زیادہ زبان پر نہ لاتے تھے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب سیال شریف سے رخصت ہونے لگے تو آپ سے ملاقات کی، دعائے خیر کہلائی اور کہا میں نیاز مند ہوں۔

سیال شریف سے آپ تشریف لائے تو تین ماہ بعد ۵ رجمادی الثانی ۱۳۲۶ھ/۵ جولائی ۱۹۰۸ء کو آپ کو خفیف سا بخار ہوا۔ اور اگلے روز پیر کے دن قبل ظہر اسم اللہ زبان سے نکلا اور آپ دارالبقار کی طرف مراجعت فرما ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ گھر والوں کو جو صدمہ ہوا اور نیازمندوں کی جو کیفیت تھی قلم کیا بیان کرے۔ منگل کے دن ۷ رجمادی الثانی کو جہاں اب عالیشان روضہ مبارک موجود ہے آپ کی تدفین ہوئی۔ وفات کے بعد جو خواب دیکھے گئے ان کا ماحصل یہ ہے آپ نے فرمایا مجھے مردہ نہ سمجھیں، میں زندہ ہوں اور دعاؤں سے حاجتیں مقبول کراتا ہوں ے

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

اور دن بدن یہ حقیقت زیادہ سے زیادہ واضح ہوتی چلی جاتی ہے۔ کہ آپ واقعی زندہ ہیں اور آپ کے تصرفات بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ حضور کو وصال پائے ستر سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ محبت خدا اور عشق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس موثر طریقے سے آپ نے درس دیا تھا وہ بیش از بیش بارآور ہوتا چلا جاتا ہے۔ فقرِ اسلامی کی تعلیمات اور روایات کے مطابق آپ نے اپنی مقدس زندگی اس عمدگی سے گزاری کہ اس کے ذکر سے روح کو حیات تازہ نصیب ہوتی ہے۔ اور باطن سرور وکیف سے معمور ہو جاتا ہے۔

آپ کا لنگر شریف بڑی شان و شوکت سے جاری ہے۔ ہر سال ۵، ۶ جمادی الثانی کو عرس مبارک مشائخ چشت کی سنت کے مطابق دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اور آپ کی اولاد کی فرزندی

marfat.com

معنا فروں ہے۔ یہی حال آپ کے ختم گوشوں کا ہے۔

آپ کے فرزند سید محمد ظفر حسن شاہ نور اللہ مرقدہٗ آپ کے جانشین ہوئے۔ اعلیٰ ترین دماغی قابلیت کے مالک تھے فنِ تعمیر میں آپ کو قدرتی طور پر حظِ وافر حاصل تھا۔ جس کا بین ثبوت لنگر شریف کی عظیم عمارات ہیں۔ جن کے نقشے آپ نے اپنے ہاتھ سے تیار کئے۔ خدائی محبِ جلال کی زندہ تصویر تھے۔ توکل، استقامت اور استغنا میں اپنے والد ماجد کی مثال تھے۔ وفات سے تین چار سال پہلے آپ پر جذب کی خاص حالت طاری ہو گئی اور آپ نے تمام امور اپنے فرزند اکبر ابو البرکات سید محمد فضل شاہ کے سپرد کر دیئے۔ ذکرِ قلبی ہر وقت جاری رہتا تھا۔ ۱۹ ربیع الآخر ۳۵ ھ / ۱۲ فروری ۱۹۱۷ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنے بھائی خواجہ قائم الدین شاہ کے مغرب میں مزار بنا۔

اب جناب ابو البرکات سید محمد فضل شاہ سجادہ نشین ہوئے۔ مدارجِ روحانی آپ کو خواجہ غریب نواز طے کرا گئے تھے۔ ان کا سیال شریف کا آخری سفر اسی غرض سے تھا کہ خواجہ شمس العارفین سے آپ اپنے محبوب پوتے کی تکمیل ختم کرائیں۔ درسِ نظامی کے فارغ التحصیل تھے۔ عربی، فارسی اور اردو پر کامل عبور تھا۔ اردو کے صاحبِ اسلوب ادیب تھے۔ حج کا فریضہ ادا کر چکے تھے اور جدِّ اسلامیہ کی سیر ایک محبِ ملت اور جذبۂ جہاد سے سرشار نوخیز مسلمان کی حیثیت سے کی تھی۔ آپ نے بڑے بلند عزائم کے ساتھ اپنے فرائض سنبھالے۔ لنگر شریف کا معیار ہر لحاظ سے بلند کیا۔ روضہ شریف کا نقشہ بالغ نظری سے تیار کرایا۔ اس کی تکمیل ہو العزیز۔ روضہ شریف کے مختلف حصوں میں توازن اور ہم آہنگی اور ہم کوچگی اور مضبوطی ان کے احساسِ جمال اور عزمِ صمیم کا شاہکار ہے۔ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے روضہ شریف کا حسن تمام فضا کو حسین و جمیل بنا رہا ہے۔ شہر سے نیچے وسیع و عریض مسجدِ جامع آپ ہی نے تعمیر کرائی۔ افسوس ہے اس کے مینار آپ فارغ ہو جانے کی وجہ سے مکمل نہ کرا سکے آپ کے عہد میں آپ کے خاندان عالیہ کو عروج حاصل ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک حزب اللہ شروع کی۔ ۱۹۱۳ء سے آپ لہ رہے تھے بحث

marfat.com

است پس از جاہ تحکم بردن۔ اب آپ نے تقریر وتحریر کے ذریعے حریت کاملہ اور ملی استقلال کا درس دینا شروع کیا۔ پنجاب، سرحد، بہاول پور، کشمیر میں مسلسل تین تین ماہ تک دورے کئے اور اپنے فصیح وبلیغ خطبات کے ذریعے کلمۃ الحق اور کلمۃ اللہ کو سربلند کیا۔ مطالبۂ پاکستان کی غیر مشروط طور پر حمایت کی۔ راجہ غضنفر علی خان آپ کے ماموں تھے اور آپ کی روح سے سرشار تھے۔ اور تحریک پاکستان کے بہت بڑے مؤید۔ اس لئے تخلیق پاکستان میں حضرت امیر حزب اللہ سید محمد فضل شاہ کا حصہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ ہر سال جلسۂ حزب اللہ کے موقع پر آپ نے جو خطبات ارشاد فرمائے اور جو طبع ہو چکے ہیں۔ تاریخ پاکستان سے متعلق ادب میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ اس طرح نظر آتا ہے کہ اربابِ چشت نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں جو تحریکِ تصوف شروع کی تھی۔ جماعت حزب اللہ کے ذریعے حضرت ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ نے اس کا ثمرِ جان نواز پاکستان کی صورت میں دیا۔ ۱۹۵۸ء میں آپ کو فالج ہو گیا۔ اسقام وامراض کے باوجود عمر بھر کی انتھک تگ ودو کا یہ نتیجہ تھا۔ لیکن آپ کی روحانی بالیدگی اوجِ کمال کی طرف سرعت سے بڑھتی رہی۔ کڑی شریف کے حافظ عبدالمجید صاحب نے ان ایام میں آپ کو دیکھا تو کہنے لگے یہ تو ہوبہو پیر حیدر شاہ ہیں، فضلشاہ کہاں گئے؟ اخلاقِ عالیہ اور کرامات کے لحاظ سے بھی ہوبہو پیر حیدر شاہ تھے۔ پیر بھائیوں کو آپ سے والہانہ محبت تھی۔ اسی لئے جب ۱۷ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ/ یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کو ان کا وصال ہوا تو ہر ایک کی زبان سے یہ دردناک صدا بلند ہوئی ؎

آن جان پاک بود فروغ حیات ما
چوں رفت نظم زندگیؔ ایں وآن برفت

روضہ شریف میں حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نوازؒ کے مغرب میں آپ کا مزار مبارک بنا۔ بعداز وصال آپ کی توجہاتِ کریمانہ کا عالم بھی نرالا ہے۔

آج کل حضرت محمد فضلشاہ نور اللہ مرقدہٗ کے فرزند اکبر جناب سید برکات احمد صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین ہیں۔ کالج کی تعلیم کے بعد علوم عربیہ کی تکمیل جلالپور شریف میں پروفیسر مولوی

marfat.com

نجم الدین صاحب سے کی جو عمر بھر اورنٹیل کالج لاہور میں عربیات کے استاد رہے تھے سلیم الطبع ہونے کے ساتھ عالی ہمتی کے لحاظ سے حضرت برکات احمد اپنے والد بزرگوار کی نظیر ہیں۔ کئی بار حج بیت اللہ اور عمرہ سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اتنی بار کہ اہل مدینہ آپ کو مدنی سمجھنے لگ گئے لمودِ دنیا سے بھی بخوبی آگاہ ہیں۔ لنگر شریف کی زرعی زمین میں آپنے بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ استقامت اور استغنا جو اس خاندان کا خاصہ ہے۔ آپ کی فطرت مبارک کا بھی جوہر اصلی ہے۔ باطنی کمالات کے لحاظ سے بھی کیا کہنا۔ بڑی محبوب شخصیت رکھتے ہیں۔ جملہ امور کو جو امورِ مملکت سے کم نہیں بڑی عمدگی سے سنبھال رکھا ہے۔ آپکے دو فرزند، سید انیس حیدر اور سید تنویر حیدر ہیں۔ سید انیس حیدر خاموش طبع اور عالی فطرت نوجوان ہیں اور سید تنویر حیدر کا وجود مبارک تقدیس کی مکمل تصویر ہے۔

اللہ تعالیٰ خواجہ غریب نوازؒ کے : مبارک خاندان کو تا ابد قائم رکھے۔ اس میں بلند طبع اور عالی ہمت بزرگ پیدا ہوتے رہیں۔ جن کے فیوض و برکات سے ہمہ گیر عمومی تحریک احیائے اسلام پھیل جائے اور طلوع ہونے والی پندرھویں صدی ہجری میں اسلام کی شان جمالی کا پوری طرح ظہور ہو اس ہمہ گیر انداز کے ساتھ کہ :

"یکون الدین کلہ للہ"

ماخذ :- ۱۔ محمد الدین، ملک ، ذکرِ حبیب ؛

۲۔ نور عالم شمس پوری ، نفحات المحبوب ؛

۳۔ خلیق احمد نظامی ، تاریخ مشائخ چشت ؛

۴۔ عبد الغنی ڈاکٹر ، امیر حزب اللہ

۵۔ ماہنامہ سلسبیل لاہور، فروری ۱۹۶۷ء ، مئی ۱۹۶۷ء

۶۔ ہاشمی فرید آبادی ، تاریخ مسلمانان پاک و ہند اول و دوم

(مطبوعہ ماہنامہ ضیائے حرم'' شمس العارفینؒ صدی نمبر)

marfat.com

خواجۂ غریب نواز کا قطعۂ تاریخ[1]

از ——— علامہ اقبالؒ

خواجۂ غریب نواز سید غلام حیدر شاہ جلالپوری قدس سرہٗ العزیز کی سیرت پر مشتمل کتاب "ذکرِ حبیب" میں ان کا مادہ تاریخ وصال موجود ہے جو علامہ اقبال نے نکالا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کتاب کے مؤلف ملک محمد الدین نے علامہ مرحوم کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اس قطعہ کا عکس کتاب میں شامل کر دیا ہے وہاں سے راقم بھی اس کا عکس بنوا کر اس مقالہ کے ساتھ شائع کر رہا ہے۔ اسے دیکھ کر ہر ایک کہہ دے گا۔ کہ یہ علامہ کی اپنی تحریر ہے۔ اس قطعۂ تاریخ کو اس لئے منفرد حیثیت حاصل ہے کہ یہ اپنے زمانہ کے ایک کامل ولی اللہ کے متعلق تحریر کیا گیا ہے "سرود رفتہ" میں مولانا غلام رسول مہر اور صادق علی دلاوری نے اور بھی بہت سے قطعاتِ تاریخ دیئے ہیں اور اسے بھی درج کیا ہے، لیکن اس نوعیت کا اور کوئی نہیں جناب سید صاحب مرحوم و مغفور کا وصال ۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ/۶ جولائی ۱۹۰۸ء کو ہوا۔ علامہ اس روز یورپ سے حصولِ تعلیم کے بعد بحری سفر کے ذریعے واپس وطن آ رہے ہوں گے۔ آپ ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو یورپ سے لاہور پہنچے۔ سید صاحب موصوف کمالِ فقر کے اعتبار سے ہمارے متقدم صوفیائے کرام کی نہایت ہی پاکیزہ مثال تھے۔ خواجہ نور محمد مہارویؒ (م - ۱۷۹۱ء) اور خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ (م - ۱۸۵۰ء) نے پنجاب میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں احمد شاہ ابدالی کی تاخت و تاراج اور سکھوں کے عہدِ مرج کے ایام میں جس تحریک تصوف کی آبیاری کر کے مسلمانوں کو ایک عجیب و غریب جذبہ ایمان سے سرشار کیا تھا۔ اس کا حاصل سید غلام حیدر شاہ جلالپوریؒ اور پیر

---

[1] یہ مقالہ عام اہلِ علم کے لئے لکھا گیا تھا تاکہ ان کو پتہ چل جائے۔ علامہ مرحوم نے یہ قطعہ کیسے تصنیف کیا۔ اسی لئے رسالہ صحیفہ بابت ماہ مارچ اپریل ۱۹۷۷ء میں چھپا تھا۔

marfat.com

مہر علی شاہ گولڑویؒ (م۔ ۱۹۳۷ء) تھے۔ لازماً قبلہ سید صاحب کے وصال پر بالخصوص شمالی پنجاب کے مسلمانوں میں صفِ ماتم بچھ گئی ہو گئی۔ لیکن ہمارے پاس کوئی ایسا ثبوت موجود نہیں۔ جس کی بنا پر ہم کہہ سکیں کہ حضرت علامہ بھی اس غم میں شریک تھے اور اسی لئے انھوں نے یہ قطعہ کہا۔ وہ وطن سے دُور یورپ میں تین سال گزار کر آئے تھے۔ اور یورپ جانے سے پہلے بھی سید صاحب نورالله مضجعہ کی ذاتِ گرامی سے ان کے کسی قسم کے روابط کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے ہمیں معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ انھوں نے یہ منفرد قسم کا قطعۂ تاریخ کیسے لکھا اور کب لکھا؟

عکس میں علامہ صاحب کے قطعہ کے نیچے اکبر الہ آبادی کا قطعۂ تاریخ بھی موجود ہے:

معرفت کی جس کو دولت ہو نصیب　　پھر اسے کیا فکر مال و جاہ ہے
حضرتِ مرحوم تھے مردِ خدا　　ان کا جو پیرو ہے حق آگاہ ہے
اُن کی تاریخ وصال از روئے درد
انتقال پیر حیدر شاہ ہے

اکبر الہ آبادی ۹ دسمبر ۱۹۲۱ء کو فوت ہوئے۔ اس لئے ان کا یہ قطعہ اس تاریخ سے پہلے کا ہے۔ بنابریں کہا جا سکتا ہے کہ علامہ صاحب کا قطعہ بھی اس سے پہلے کا ہوگا۔ مؤلف ملک محمد الدین نے دیباچہ کتاب ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ/۱۵ مئی ۱۹۲۳ء کو لکھا جس میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ:

"میں ـــــ ملک کے نامور شعراء کا بھی رہینِ منت ہوں جنھوں نے اپنے کلامِ بلاغت نظام سے مجھ کو ممتاز فرمایا۔ چنانچہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ایم۔اے پی ایچ۔ڈی اور خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر آبادی سے لے کر عام نغز گویانِ اردو تک کے نتائج افکار کتاب کے اوراق میں درج ہیں۔"

اس لئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب علامہ صاحب نے یہ قطعۂ تاریخ کہا تو ۹ دسمبر ۱۹۲۱ء اور ۱۵ مئی ۱۹۲۳ء کے درمیان کی کوئی تاریخ ہو گی۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ علامہ صاحب

marfat.com

مادۂ تاریخ وصال حضرت صاحب قبلۂ عالم گولڑوی از ترجمان حقیقت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی

ہر کہ بہ خاک مزار پیر جبیں سائیدہ است
تربت او را امین جلوہ ہائے طور گفت

ہاتف از گردوں رسید و خاک او را بوسہ داد
گفتمش سالِ وفاتِ او، نگہ "مغفور" گفت

۱۳۵۶

(دانش)

از لسان العصر خان بہادر سید اکبر حسین صاحب پنشنر سشن جج الہ آباد

معرفت کی جستجو ہو دولت لاریب — ہر گز ہے بے نیاز مال و جاہ ہے

حضرت مرحوم پیر مرد خدا — آنکہ جو ہمدرد ہے حق آگاہ ہے

آئی تاریخ وصال از رہ درد

انتقال پیر مہر شاہ ہے

۱۲ ۲۶ ۳۴ ۳۴ ۵ ۱۳۲۲

(اکبر الہ آبادی)

کے یورپ سے مراجعت فرما ہونے کے روز سے لے کر مؤلف کے دیباچہ لکھنے کی تاریخ تک درمیان میں کوئی دن ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ پندرہ برس کا طویل عرصہ ہے۔ اس کے دوران میں کون سے ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے علامہ صاحب کو یہ قطعہ کہنے پر آمادہ کر دیا۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فکر و جذبہ اور اسلوب کے اعتبار سے یہ علامہ صاحب کے دل کی آواز ہے:

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت
تربتِ او را امینِ جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاک او را بوسہ داد
گفتمش سال وفاتِ او بگو مغفور گفت

یہ رسمی قطعہ نہیں۔ اس میں آمد ہی آمد ہے۔ اکبر الہ آبادی اگرچہ پیر حیدر شاہ کو مردِ خدا کہتے ہیں اور ان کے پیروانِ کار کو حق آگاہ تسلیم کرتے ہیں لیکن علامہ اقبال کے قطعہ میں جو خلوص، عمق اور روحانی وابستگی موجود ہے وہ ان کے ہاں نہیں۔ اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ علامہ صاحب کا قطعہ محض ریاضیاتی فکر کا نتیجہ نہیں۔ اپنے قطعاتِ تاریخ میں انھوں نے کسی کی تربت کو "امین جلوہ ہائے طور" نہیں کہا۔ اس لئے ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اس میں ان کی شخصیت کا عمیق اظہار کیوں ہو رہا ہے۔ غور و فکر کرتے ہوئے ممکن ہے ہم اس کی تخلیق کا کوئی خاص وقت بھی متعین کر سکیں۔ اس قطعہ کو علامہ کے ذیل کے اشعار کے ساتھ ملا کر پڑھ لینا مناسب ہوگا۔ جو انھوں نے محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی کی تعریف میں کہے ہیں:

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری، فیضِ عام ہے تیرا

لہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان اسماعیل جان کا مادۂ تاریخ وفات بھی "مغفور" نکالا ہے۔ لیکن سارے قطعہ میں صرف ان کی شہزادگی اور امیری کا ذکر ہے۔

marfat.com

تارے عشق کے، تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

کیا یہ اشعار اور قطعہ کے دونوں شعر ہم جنس نہیں؟ اسی مماثلت اور یک رنگی کی بنا پر یہ قطعہ خاص اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ قطعہ میں شاہ صاحب مرحوم کی نربت کے ذکر سے عقیدت کا رنگ جھلکتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ہوا!

سیّد صاحب قدس سرہٗ العزیز کے وصال کے فوراً بعد ملک محمد الدین مؤلف "ذکرِ حبیب" نے ان کی یادگار کے طور پر پنڈی بہاء الدین ضلع گجرات سے، جو سیّد صاحب قبلہ کے وطن اور مسکن جلالپور شریف ضلع جہلم سے جنوب مشرق میں صرف چند میل کے فاصلہ پر دریائے جہلم کے بائیں کنارے پر واقع ہے، رسالہ "صوفی" جاری کیا۔ "ذکر حبیب" بعد میں تالیف ہوئی۔ ملک صاحب کو سیّد صاحب مرحوم سے بیعت کا شرف حاصل تھا اور وہ بیان کرتے ہیں کہ اسی بیعت کی برکت تھی کہ اس سے پہلے بالکل مفلوک الحال تھے مگر "حضرت کی دعاؤں کی بدولت خدا نے چند سال کے عرصے میں وہ سب کچھ دے دیا جس کی دل کو تمنا ہو سکتی ہے"۔ فارغ البالی، خوشحالی، حجِ بیت اللہ، بیس کپیس مربع اراضی۔ ظاہری برکات حاصل کرنے کے علاوہ حضرت پیر حیدر شاہ رحمۃ اللہ کی پاکیزہ زندگی سے ملک صاحب نے چونکہ ہزاروں وابستگانِ بارگاہ اور مریدین و معتقدین کو مستفیض ہوتے دیکھا اور اباقِ حکمت و موعظت اور دروسِ شریعت و طریقت پاتے سنا اور خود بھی فیض یاب ہوئے اس لئے انھوں نے تحدیثِ نعمت کے طور پر اس فیضانِ عام کو ہر ایک تک پہنچانے کا عزم دل میں پیدا کیا رسالہ "صوفی" میں سیّد حیدر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ پاک، کرامات اور ملفوظات پر مشتمل مقالات چھپنے لگے۔ سلیس اور متین ادبی اسلوب پاکیزہ مضامین (جو شریعت اور طریقت سے حقیقی معنوں میں مطابقت رکھتے تھے) اعلیٰ درجہ کی منظومات اور جدید دور کی علمی معلومات باقاعدگی سے ماہ بہ ماہ فراہم کرنے کے باعث یہ رسالہ جلد مقبولیت

marfat.com

حاصل کر گیا اور اس کی اشاعت آٹھ ہزار تک پہنچ گئی۔ نہ صرف دیہاتی علاقوں میں بلکہ تمام برعظیم کے علمی مراکز میں بھی "صوفی" پہنچنے لگا۔ مولانا ظفر علی خان اور نیاز فتح پوری جیسے اہل علم کے مقالات اس میں چھپا کرتے تھے۔ اور سیماب اکبر آبادی کی عقیدت سے معمور نظمیں طبع ہوا کرتی تھیں۔ رسالے کی کامیابی نے ملک محمد الدین کی ہمت افزائی کی اور انھوں نے طبع و اشاعت اور نشر و تالیف کا ادارہ بھی قائم کیا۔ چنانچہ غالباً انھوں نے ہی صوفی کرم الٰہی کی "تاریخ اسلام" اور "خالد بن ولیدؓ شائع کی تھیں جن کی ان ایام میں بڑی شہرت ہوئی۔ ان ادبی، علمی اور دینی خدمات کی بنا پر ملک صاحب کو حضورِ نظام دکن سے وظیفہ عطا ہوا۔ رسالہ مسلمان اکابر کے پاس باقاعدہ پہنچ رہا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر سید سلیمان ندوی نے علامہ اقبال کو شکایتاً لکھا کہ آپ کی نظمیں رسالہ "صوفی" میں تو چھپتی ہیں مگر "معارف" ان سے محروم رہتا ہے۔ علامہ صاحب نے ۲۸ر اپریل ۱۹۱۸ء کو جواباً تحریر فرمایا۔

"رسالہ صوفی میں، میں نے کوئی نظم شائع نہیں کی۔ کوائی پرانی مطبوعہ نظم انھوں نے شائع کر دی ہوگی۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں "صوفی" کو معارف پر ترجیح دوں"

علامہ اقبال کا یہ خط بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ایک تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ضلع گجرات کے ایک گاؤں پنڈی بہاؤالدین سے نکلنے والے رسالہ "صوفی" نے ہمارے اکابر کو چونکا دیا تھا۔ دوسرے اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ علامہ کے دل میں ابھی تک حضرت سید حیدر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے وہ عقیدت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جو ان کے قطعہ تاریخ سے ظاہر ہوتی ہے۔ تیسرے قدرتی طور پر ہم اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ ابھی ۲۸ر اپریل ۱۹۱۸ء تک یہ قطعہ تصنیف نہیں ہوا تھا۔ بنا بریں کوئی حتمی رائے قائم کرنے کے لئے ہمیں مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔

سید سلیمان ندوی کے شکایت نامہ کا ایک مثبت اثر لازماً ہوا ہوگا اور وہ یہ کہ اس کے بعد اس رسالہ[1] کو علامہ نے زیادہ موردِ التفات سمجھا ہوگا۔ جس کی طرف برعظیم کے اتنے بڑے جید عالم

---

[1] خیال ہے کہ "رسالہ صوفی اور علامہ اقبال" ایک معنی خیز موضوع ہے۔ بیسویں صدی کے ثلث اوّل میں

باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر

marfat.com

اور مصنف توجہ منعطف فرمارہے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ علامہ نے توجہ میں سابقہ کمی کی کسی نہ کسی طرح تلافی کی ہو۔ ان دنوں وہ ہر اس بات کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کر رہے تھے۔ جو مسلمانوں کے لئے حیاتِ نو کا موجب ہو سکتی تھی۔ مثنوی "اسرارِ خودی" پہلی بار ۱۹۱۵ء میں طبع ہوئی تھی اور "رموزِ بے خودی" ۱۹۱۸ء میں۔ جس ذہنی کیفیت کے ساتھ انھوں نے "اسرار و رموز" کو تصنیف کیا تھا۔ اسی کے ساتھ انھوں نے ان ایام میں قدرتی طور پر حضرت پیر حیدر شاہ قدس سرہٗ العزیز کی سیرتِ پاک کا مطالعہ کیا ہوگا جن کی یادگار کے طور پر رسالہ "صوفی" جاری ہوا تھا۔ اس رسالہ کے تمام مندرجات سے پوری طرح الم نشرح ہو رہا تھا کہ شاہ صاحب قبلہ کے مبارک اثرات کے باعث، شمال مغربی پنجاب کے مسلمانوں میں بالخصوص، ایک خاص علمی اور عملی نہضت کا ظہور ہوا تھا۔ "تاریخِ اسلام" اور "خالد بن ولید" کے مذکورہ بالا مصنف صوفی کرم الٰہی انہی کے مرید باصفا تھے۔ صوفی صاحب شاعر بھی تھے۔ "ذکرِ حبیب" میں اپنے پیرِ کامل کو مخاطب کر کے انھوں نے فارسی میں ایک نظم کہی ہے۔ اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

نورِ محمدی زجبینِ تو آشکار!
وصفتِ بروں زوہم و گمان پیر دستگیر
نازد بتو شریعتِ غرائے احمدی
عرفان را تو روح دروان پیر دستگیر

ان باتوں نے علامہ اقبال کو سوچنے پر مجبور کیا ہوگا کہ ایک مردِ کامل کا وجود مقدس اپنے معاشرے میں کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ اپنے زمانہ میں اور اپنے بالکل قریب انھوں نے رومی کا سوز و ساز محسوس کیا۔ اور اس کی حیات آفرینی کے مظاہرے دیکھے۔ پنڈی بہاؤالدین کے ایک چھوٹے سے قصبہ میں سے اچانک ملک محمد الدین جیسا زرخیز ذہن والا باہمت ادیب نمودار ہو جاتا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: رسالہ نے علم و ادب کی شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ اس کی فائلوں کو نظرِ غائر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

marfat.com

ہے اور اس قصبہ سے مشرق میں چند میل کے فاصلے پر ڈنگہ کے گاؤں سے صوفی کرم الٰہی پیدا ہوتا ہے جو مورخ اسلام ہے اور یہ سب کچھ ایک مردِ کامل کی نگاہ کا فیض ہے ـــــ ایسا کامل انسان جس کی تلاش میں وہ خود رومی کی طرح سرگرداں تھے۔ سید سلیمان ندوی کے مکتوب نے یقیناً علامہ اقبال کو لمحاتِ فکریہ سے دوچار کیا ہوگا۔ جیسا کہ پیشتر اس کہا جا چکا ہے۔ بالخصوص ان ایام میں زندگی کے تمام مظاہر کی نبض پر ان کا ہاتھ تھا اور وہ گہری سوچ سے کام لے رہے تھے۔

سید سلیمان ندوی کے محولہ بالا مکتوبِ گرامی کا جواب علامہ اقبال نے ۲۸ر اپریل ۱۹۱۸ء کو دیا تھا۔ غالباً سید صاحب نے یہ مکتوب اسی اپریل کی کسی تاریخ کو تحریر فرمایا ہوگا۔ انہی دنوں میں درگاہ جلالپور شریف میں جو کچھ ہو رہا تھا۔ اس کا تعلق زیرِ بحث موضوع سے بڑا گہرا ہے۔ ۵، ۶ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ / ۱۸، ۱۹ر مارچ ۱۹۱۸ء کو پیر حیدر شاہ قبلہ قدس سرہٗ العزیز کا جلالپور شریف میں دسواں عرس منعقد ہونا تھا اس میں تقسیم کرنے کے لئے ملک محمد الدین نے مارچ ۱۹۱۸ء کا خصوصی عرس نمبر شائع کیا۔ اس عرس نمبر میں ذکرِ حبیب کے عنوان سے ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلالپور شریف کا ایک مقالہ پیر صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ پاک کے متعلق چھپا۔ اس کا مندرجہ ذیل اقتباس علامہ اقبال کی مثنوی "رموزِ بے خودی" کے مطالب سے کس قدر ہم آہنگ ہے۔

> حضرت خواجہ شیخ سید غلام حیدر علی شاہ نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے طرزِ عمل اور طریقِ کار سے ثابت کر دکھایا کہ طریقت اور شریعت کے درمیان اگر فرق ہے تو محض اعتباری۔ کوئی مدعیٔ تصوف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی عملی تقلید اور پیروی کے بغیر منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ انہوں نے اپنی ساری حیات میں کوئی بات بھی ایسی نہ کی جو خلافِ قرآن و سنت ہو۔ ان کے عقائد و خیالات تمام تر کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے ماخوذ تھے۔ انکی تبلیغ و ہدایت کا حقیقی نثار کلمۃ اللہ کی تشہیر، سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء، اسلافِ کرام کی اتباع، اولیاء اللہ سے توسل اور اولیاء الشیطان سے انقطاع ہوا کرتا تھا۔"

marfat.com

"رموزِ بے خودی" میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ توحید و رسالت پر ملتِ محمدیہ کی اساس ہے۔ خواجہ غلام حیدر شاہ نے اسلافِ کرام کی طرح بیسویں صدی کے آغاز میں اس نسخۂ کیمیا اثر پر عمل کر کے کم از کم اپنے علاقہ کے مسلمانوں کی حیاتِ ملی میں نئی روح پھونک دی تھی۔ علامہ ان کے کارنامے سے ضرور متاثر ہوتے ہوں گے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسالہ "صوفی" ان کے پاس کم از کم اعزازی طور پر ضرور پہنچ رہا تھا۔ جب سید سلیمان ندوی کے مذکورہ بالا خط سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ کی نظمیں اس رسالہ میں چھپ رہی تھیں، کیسے ممکن ہے کہ مدیر "صوفی" انہیں رسالہ نہ بھیجتے۔ معمولی درجہ کے شعراء اور قلمی معاونین کو جب مدیر صاحبان نظر انداز نہیں کرتے تو شاعرِ مشرق حکیم الامت علامہ اقبال کو کس طرح فراموش کیا جا سکتا تھا۔ مارچ ۱۹۱۸ء کا عرس نمبر تو لازماً انہیں بھیجا گیا ہوگا۔ کیونکہ بالکل انہی دنوں میں ملک محمد الدین علامہ صاحب سے قطعۂ تاریخ لکھوانا چاہتے تھے اور سید سلیمان ندوی کے مکتوب سے جس طرح علامہ کو اس رسالہ کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ضمناً ترغیب ہوئی تھی، انھوں نے ضرور اس کا مطالعہ کیا ہوگا۔

ہم نے کہا ہے کہ ۱۹۱۸ء کو انہی دنوں میں ملک محمد الدین سید غلام حیدر شاہ نور اللہ مرقدہٗ کا قطعۂ تاریخ لکھوانا چاہتے تھے۔ اس بات پر غور کر لینا اشد ضروری ہے۔ ابو البرکات سید محمد فضل شاہ، سید غلام حیدر صاحب کے پوتے تھے۔ جیسا کہ ان کے مقالہ کے مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے۔ آپ اردو کے اعلیٰ درجہ کے ادیب تھے۔ آپ کے مطبوعہ مقالات، خطبات اور رسائل اس سلسلہ میں شاہد عادل ہیں۔ درس نظامی کے فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ آپ جدید تحریکات سے بھی پوری طرح باخبر تھے، بلاد اسلامیہ کی سیر کر چکے تھے، آپ کا سفر نامہ رسالہ "صوفی" میں بالاقساط چھپا تھا۔ اس بالغ نظری کو بروئے کار لا کر آپ چاہتے تھے کہ "ذکرِ حبیب" کے نام سے اپنے دلوا بزرگوار کی سیرت پاک کے متعلق خود ایک مبسوط کتاب تصنیف فرمائیں۔ صوفی کے عرس نمبر میں اس عنوان سے آپ کا مقالہ دراصل آپ کی اسی تمنا کے سلسلہ میں تھا۔ آپ کی ظاہری اور باطنی تربیت اپنے جدِ بزرگوار خواجہ غلام حیدر شاہ کی خصوصی توجہات کی مرہونِ منت تھی۔ آپ کی دلی آرزو تھی

marfat.com

کہ ایک ادنیٰ نیازمند کی طرح ان کے فضائل و کمالات بیان کریں۔ چنانچہ اس سے پہلے اسی عنوان سے آپ کا اولین مقالہ ۱۹۱۰ء کے پرچہ میں چھپا تھا۔ "صوفی" کے ۱۹۱۱ء کے جنوری، فروری اور مئی کے پرچوں میں بھی یکے بعد دیگرے ذکرِ حبیب کے عنوان سے آپ کے مقالے چھپے تھے۔ یہ موضوع آپ کو بے حد عزیز تھا۔ بایں ہمہ "ذکرِ حبیب" کے علمی اور ادبی لحاظ سے معرکۃ الآرا مقدمہ میں آپ لکھتے ہیں کہ کثرتِ مشاغل، عدیم الفرصتی اور چند عوارض و انقام نے آپ کو دلجمعی سے اس کام کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ اور جب ملک محمد الدین مدیر "صوفی" نے خواہش ظاہر کی تو بطیبِ خاطر انھیں اجازت دے دی کہ کتاب تالیف کریں۔ اپنے والدِ ماجد سید محمد مظفر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر آپ ۱۲ فروری ۱۹۱۷ء کو مسند نشین ہوئے تھے۔ آپ کی عمر اس وقت بائیس سال تھی۔ لنگر شریف کے جملہ انتظامات پوری توجہ کے طالب تھے اس لئے دلی خواہش کے باوجود تصنیفِ کتاب کی طرف متوجہ نہ ہو سکتے تھے۔ ادھر عقیدت مندوں کا تقاضا تھا کہ کتاب جلد چھپے اور پھر ملک محمد الدین نے ۱۹۰۸ء سے لے کر مارچ ۱۹۱۸ء تک رسالہ "صوفی" کے ذریعے کافی مواد جمع کر لیا تھا۔ انھیں بھی تالیفِ کتاب کا حق پہنچتا تھا۔ بنا بریں معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۱۸ء کے عرس مبارک کے موقع پر یہ طے پا گیا۔ کہ اب ملک صاحب ہی کتاب تالیف کریں گے، کیونکہ اس کے بعد ذکرِ حبیب کے عنوان سے ابو البرکات سید محمد فضل شاہ صاحب نے کوئی مقالہ تحریر نہیں فرمایا۔ اور اپنے جدِ بزرگوار کی صفاتِ عالیہ کے متعلق بعد میں جو کچھ لکھا وہ محولہ بالا مقدمۃ الکتاب کی تسوید کے سلسلہ میں قلمبند ہوا۔

۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں "لفحات المحبوب" کے نام سے خواجہ غلام حیدر شاہ قدس سرہ العزیز کے متعلق صوفی نور عالم جہلمی کے قلم سے ایک کتاب چھپی تھی۔ لیکن ایک تو وہ روز روز کے ملفوظات پر مشتمل تھی اور دوسرے سابقہ روایت کے مطابق فارسی زبان میں تھی۔ وہ کتاب بھی ابو البرکات سید محمد فضل شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م-۱۹۶۶ء) کے حسب الارشاد طبع ہوئی تھی اور اپنی جگہ اثر انگیز اور ایمان افروز تھی۔ لیکن ذکرِ حبیب اردو زبان میں تالیف ہوئی جو تصنیفات کی مروجہ زبان تھی اور

marfat.com

عوام جس سے بآسانی مستفید ہو سکتے تھے۔ ساتھ ہی خواجہ صاحب مرحوم کی سیرت پر جدید نظریوں کے مطابق یہ ایک مستقل کتاب تھی۔

مندرجہ بالا حقائق و واقعات کی بنا پر یہ کہنا بجا ہے کہ اپریل ۱۹۱۸ء سے "ذکرِ حبیب" کی تالیف کا کام باقاعدگی سے شروع ہو گیا۔ ملک محمد الدین بڑے متعد انسان تھے۔ انھوں نے فوری طور پر علامہ اقبال اور اکبر الہ آبادی سے قطعاتِ تاریخ کے لئے تقاضا شروع کر دیا ہو گا۔ "صوفی" کا مارچ ۱۹۱۸ء کا عرس نمبر بھیجا ہو گا اور باقی متعلقہ پرچے بھی ارسال کئے ہوں گے۔ جیسا کہ اس تمام بیان سے واضح ہوتا ہے۔ حضرت پیر غلام حیدر شاہ کی شخصیت ایسی پاکیزہ تھی کہ علامہ مرحوم اور لسان العصر کی ۹ دسمبر ۱۹۲۱ء کو وفات سے کافی عرصہ پہلے بلکہ عین ممکن ہے ۱۹۱۸ء ہی میں دونوں کے قطعات ملک محمد الدین کو موصول ہو گئے ہوں گے۔ مندرجہ بالا شواہد کی بنا پر یہ سمجھنا آسان ہو چکا ہے کہ علامہ اقبال نے یہ قطعہ کب اور کیسے لکھا۔ ان کے دل میں حقیقی فقرِ اسلامی کی جو قدر و منزلت موجود تھی۔ اس کے اظہار کے طور پر یہ قطعۂ نغز تخلیق ہوا۔

اس قطعۂ تاریخ کے بعد حضرت علامہ کا تعلق درگاہ جلالپور شریف سے قائم ہو گیا اور پھر جاری ہی رہا۔ حضرت ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلال پور شریف بڑے باذوق بزرگ تھے۔ عربی، فارسی اور اردو کے پاکیزہ بصیرت افروز اشعار اس طرح برمحل پڑھا کرتے تھے۔ کہ آدمی حیران رہ جاتا تھا۔ احیائے ملت کیلئے جن جذبات اور عزائم نے علامہ کے کلام میں زندگی پیدا کی ہے۔ ان سے وہ بھی سرشار تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء میں اٹھارہ انیس برس کی عمر میں جب آپ ملک محمد الدین کو ساتھ لے کر بلادِ اسلامیہ کی سیاحت کے لئے گئے اور قاہرہ، اسکندریہ، بیت المقدس اور دمشق کی سیر کی تو آپ نے ان عمارات اور مقابر کی خاص طور پر زیارت کی جو مجاہدین اسلام سے متعلق تھیں۔ قاہرہ میں جامع عمرو بن العاص اور دمشق میں سلطان صلاح الدین ایوبی، عماد الدین زنگی اور ابوعبیدہ بن الجراح کے مزارات کی زیارت کے لئے آپ ایک خاص جذبہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ کا ولولہ خیز مفصل سفرنامہ کتاب "امیر

marfat.com

حزب اللہ" میں موجود ہے آپ نے اپنا مقالہ 'سخت است پس از جاہ تحکم بردن، انیس سال کی عمر میں جولائی ۱۹۱۳ء کے رسالہ 'صوفی' میں لکھا جس میں بنیادی طور پر آپ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اگر مسلمانوں کو ان ہندوؤں کا غلام بننا پڑا۔ جن پر وہ سینکڑوں سالوں تک حکومت کر چکے تھے تو بڑی مصیبت آئے گی۔ اپنے انھی خیالات کی بنا پر انھوں نے ۱۹۲۰ء میں ایک فعال جماعت حزب اللہ کے نام سے قائم کی۔ جس کا مقصد احیائے اسلام و المسلمین تھا۔ اسی نے ۱۹۴۲ء میں حزب اللہ کے پندرھویں سالانہ اجلاس میں مطالبۂ پاکستان کے سلسلہ میں انھوں نے مسلم لیگ کے ساتھ غیر مشروط طور پر اشتراک عمل کا اعلان کیا تھا۔ دل و دماغ کے انہی رجحاناتِ راسخہ کی بنا پر انھیں علامہ اقبال سے محبت تھی۔ علامہ بھی انہیں محترم سمجھتے تھے۔ پیر حیدر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند تو تھے ہی ان کے جوان ہمت اور بیدار مغز پوتے سے بھی گہری موانست پیدا ہوگئی۔ لاہور میں مختلف ملی اور علمی مسائل کے سلسلہ میں ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ خواجۂ غریب نواز پیر حیدر شاہؒ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب حال درویش صوفی خدا بخش آدو والی[1] ایک بار حضرت ابوالبرکات کے ساتھ تھے۔ کشادہ جبین، دراز قد، دراز ریش، ہاتھ میں عصا، جذب و سکر کی کیفیات چہرے پر، دیکھ کر علامہ پر خاص کیفیت طاری ہوگئی۔ صوفی صاحب فارسی اور اردو میں شعر کہا کرتے تھے۔ علامہ ان کا کلام سن کر محظوظ ہوتے سیماب اکبرآبادی کے رفیقِ کار خواجہ محمد امین چشتی جو خود بھی خوش فکر شاعر ہیں۔ آدو کراچی میں قیام پذیر رہے ہیں، بیان کرتے ہیں۔ کہ ۱۹۲۹-۳۰ء میں شملہ میں مرکزی اسمبلی میں ساردا ایکٹ پر بحث ہو رہی تھی اور مسلمان مضطرب تھے۔ تو حضرت ابوالبرکات ارکان اسمبلی کو ہم خیال بنانے کے لئے شملہ تشریف لے گئے۔ علامہ اقبال بھی وہیں تھے۔ تاہم

[1] آدو وال ضلع جہلم میں جلال پور شریف اور ہرن پور کے درمیان ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔

[2] دیکھیے: رسالہ سلسبیل مئی ۱۹۶۷ء حضرت ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک نظم کے اختتام پر ذیلی حاشیہ۔

marfat.com

کو ان کی قیام گاہ پر تشریف لایا کرتے اور دقیق علمی مسائل پر تبادلہ خیال ہوا کرتا تھا۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اس موقع پر درگاہِ جلالپور شریف کے اخراجات کے لئے وائسرائے ہند نے یک صد مربع اراضی کی پیش کش کی جسے حضرت ابوالبرکات نے ٹھکرا دیا۔ اور جواب علامہ اقبال نے تحریر فرمایا۔ علامہ صاحب نے اس وقت فرمایا اگر ہمارے تمام سجادہ نشین حضرات اس طرح کے ہوں تو کیا کہنا[1]۔

خواجہ پیر حیدر شاہ نور اللہ مضجعہ کے وصال کی تاریخ کے سلسلہ میں علامہ اقبال کے قطعہ کا یہ پس منظر ہے۔ اپنے عہد کے صوفیائے کرام کے ساتھ علامہ اقبال کے مراسم پر ہمیں حیرت نہ نہیں ہونا چاہیئے۔ راقمِ سطور کے ایک رفیقِ کار پیر محمد صادق رشتے میں میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ دم۔ ۳ ربیع الاوّل ۱۳۴۷ھ/ ۲۰ اگست ۱۹۲۸ء) کے بھتیجے تھے۔ اپریل ۱۹۲۸ء سے لے کر دو تین سال تک بھلوال ضلع سرگودھا میں ان کے ساتھ راقم کو رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ پیر محمد صادق ریش صاف کرایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان کی طرح کے تارکِ سنتِ لوگوں کو میاں صاحب مرحوم اپنی مجلس میں بار نہیں دیا کرتے تھے۔ لیکن جب کبھی علامہ اقبال ملاقات کیلئے آتے تو انھیں بڑے احترام سے اپنے پہلو میں جگہ دیا کرتے تھے۔ یہ بات ہمیشہ مدنظر رہنی چاہیئے کہ جس طرح اپنے کلام میں علامہ نے متقدم صوفیائے اسلام کا عقیدت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اپنے معاصر صوفیاء سے بھی مخلصانہ روابط رکھے۔

---

[1] بروایت صوفی ریاض حسین ایم۔ اے، سابق ہیڈ ماسٹر ہائی سکول۔

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عظیم انسان اپنی ولادت سے لے کر وفات تک عظمت در آغوش نظر آتے ہیں۔ ماحول کی ایک ایک بات انہیں عظمتوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ وہ اعلیٰ ذہانت اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے اعلیٰ اوصاف کے مالک ہوتے ہیں۔ مشکلات اور مہمات ان کی مخفی صلاحیتوں کو آفاقی ہیں اور جب وہ اپنے پیچھے مبارک اثرات اور برتر نتائج چھوڑ جاتے ہیں۔ تو لوگ کہتے ہیں ایسی ہستیوں کے ہوتے ہوئے یہ سب کچھ ناگزیر تھا۔ فقر و سلطنت، علم و ہنر، ایجاد و اختراع زندگی کے تمام شعبوں میں شروع ہی سے یہی حقیقت کارفرما چلی آرہی ہے۔ حضرت ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب قدس اللہ سرہٗ اسی قسم کے عظیم انسان تھے۔ آپ کا تعلق اول تا آخر فقرِ اسلامی سے تھا۔ اور اسی کے زور سے آپ نے اپنے گرد و پیش کی تمام حیاتِ اجتماعی میں حرکت پیدا کر دی اور فی الحقیقت ایک بہت بڑے انقلاب کے داعی بنے۔

آپ کی ولادت ۴ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ / ۳ نومبر ۱۸۹۴ء کو ہوئی۔ حضرت اعلیٰ خواجہ غریب نواز بڑے خوش ہوئے۔ بشارت غیبی کی بنا پر نام محمد فضل شاہ رکھا۔ آپ کے والد سید مظفر شاہ صاحب اعلیٰ حضرت کے دوسرے فرزند تھے۔ بڑے سید بدیع الزمان شاہ ۲۱ سال کی عمر میں وفات پا گئے تھے۔ مولود مسعود کی والدہ راجہ سیف علی خان رئیس پنڈ دادنخان کی صاحبزادی تھیں۔ راجہ غضنفر علی خان انہیں صاحبزادی صاحبہ کے چھوٹے بھائی تھے جو بعد میں تحریک پاکستان شروع ہونے پر قائداعظم محمد علی جناح کے رفیقِ کار بنے۔ صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب کی پرورش آپ کی دادی اماں حضرت مائی صاحبہ کلاں نے خاص توجہ سے کی۔ حضرتِ اعلیٰ کی توجہات شروع ہی سے آپ کی ذات پر مرکوز تھیں۔ تعلیم شروع ہوئی، قرآنِ مجید حافظ اللہ دین ساکن چک شیر محمد سے ختم کیا۔ بیماری

marfat.com

کے باعث حفظ نہ کر سکے ۔ مولوی عبدالرحیم صاحب ساکن کڑی شریف سے سکندر نامہ تک فارسی کتب صرف ونحو اور فقہ میں شرح وقایہ کا درس لیا۔ مولوی صاحب سے آپ کو زندگی کے آخری لمحات تک عقیدت و محبت رہی، فلسفہ، ادب، عقائد، کلام اور علوم عقلیہ کی تحصیل آپ نے مولوی فیض الحسن صاحب ساکن بھین (جہلم) سے کی ۔ صحاح ستہ، فقہ اور باقی علوم نقلیہ دیگر اساتذہ سے پڑھے ۔ اس طرح درسِ نظامیہ کی تکمیل آپ نے جلال پور شریف میں رہ کر کی۔

لیکن آپ کی حقیقی تعلیم اور تھی۔ اور وہ خواجہ غریب نوازؒ کا فیضانِ روحانی تھا جو نگاہ کے ذریعے آپ کے قلب میں مسلسل اور متواتر سرایت کر رہا تھا۔ اس کا ذکر آپ نے اپنی تحریروں میں بارہا بڑے جذبہ ممنونیت کے ساتھ کیا۔ آپ نے اس دینی اور روحانی انقلاب کو دیکھا جو آپ کے گرد و پیش رونما ہوا تھا۔ نیاز مند خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور عجیب و غریب کیفیات سے سرشار ہو کر واپس جاتے تھے ۔ اعلیٰ حضرت کے رگ و ریشے میں احترامِ کتاب و سنت حمایتِ اسلام اور صیانتِ مسلمین کا جوہر موجود تھا۔ صاحبزادہ صاحب نے بھی اپنی فطرت میں ان صفاتِ عالیہ کی پرورش کی اور پھر آپ کی تربیت کی تکمیل کی خاطر ۲۰ صفر ۱۳۲۶ھ / ۲۴ مارچ ۱۹۰۸ء کو حضرت اعلیٰ آپ کو اپنے ساتھ سیال شریف لے گئے جہاں خواجہ شمس العارفین قدس سرہ العزیز کے روضۂ انور کو اندر سے بند کر کے آپ کو صحیح معنوں میں خلعتِ نورانی سے نوازا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۱۴ سال تھی۔ تین ماہ بعد ۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ / ۶ جولائی ۱۹۰۸ء کو حضرتِ اعلیٰ کا وصال ہو گیا۔ گویا رحلت سے پہلے آپ نے اُس چشمہ صافی سے اپنے محبوب پوتے کو سیراب کر دیا جسکے تیرِ یں ہوتے ان ایام میں جلال پور شریف سے تمام اطراف میں پھیل رہے تھے ۔ وصال کے بعد بھی ان کی توجہات کریمانہ بدستور جاری رہیں ۔ صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب کی شخصیت مبارکہ میں اہل عالم نے بعد میں فقر کی جو حقیقی شان یعنی استغنا کے ساتھ استقامت دیکھی ۔ اجیار اسلام کے لئے ان کی تڑپ اور درد ملت کا جذبہ ملاحظہ کیا اور ان کے روحانی رتبہ بلند کو مشاہدت ہو کر دیکھتے رہے ۔ وہ سب کچھ حضرت اعلیٰ کی پہلو دار تربیت کا نتیجہ تھا۔ ہاں ہم یہ کہہ سکتے

marfat.com

ہیں کہ صاحبزادہ صاحب کی جوان ہمتی نے ان عناصر کو خوب فروغ عطا کیا۔ اور انہیں بے پناہ توانائی سے معمور کر دیا۔

حضرت ثانی خواجہ محمد مظفر علی شاہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے فن تعمیر کا ایسا ذوق عطا فرمایا تھا۔ جس میں حسن بھی تھا اور پختگی بھی۔ اس کا اظہار انھوں نے اپنے ایامِ ولی عہدی میں شروع کر دیا تھا اور جلال پور شریف کی دیہاتی فضا میں آپ نے لنگر شریف کی ایسی شاندار عمارات تعمیر کرائیں جو شہروں میں بھی کمیاب ہیں۔ سجادہ نشین ہونے پر بھی آپ نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ لنگر شریف کا انتظام و انصرام اعلیٰ پیمانے پر کیا۔ پیر بھائیوں کی روحانی تربیت بدستور جاری رہی۔ ظاہر ہے اپنے والد گرامی کا مبارک نمونہ بھی صاحبزادہ سید محمد فضل شاہ صاحب کا ہر طرح حوصلہ بڑھا رہا تھا ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں حضرت اعلیٰ کے ملفوظات طیبہ پر مشتمل فارسی میں کتاب نفحات المحبوب چھپی۔ یہ حضرت ثانی صاحب اور جناب صاحبزادہ صاحب کی ہمت افزائی کا ثمرہ تھا۔

حضرت اعلیٰ کی یاد میں منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات سے صوفی محمد الدین نے رسالہ "صوفی" کا اجراء کیا۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اس کے ۱۹۱۰ء کے پرچے میں قبلہ صاحبزادہ صاحب کا پہلا مقالہ "ذکرِ حبیب" کے عنوان سے چھپا۔ بعد میں یہ سلسلہ جاری رہا ان ایام میں اپنی نصابی تعلیم کے علاوہ رسائل و اخبارات کا مطالعہ بالالتزام کیا کرتے تھے۔ دلگداز، معارف، الہلال وغیرہ اردو کے مقتدر رسائل باقاعدگی سے پہنچ رہے تھے شبلی نعمانی اور عبدالحلیم شرر کی تحریرات پڑھ رہے تھے۔ تاریخ سے دلچسپی تھی۔ صوفی کرم الٰہی ساکن ڈنگہ (گجرات) کی مشہور تصنیف تاریخ اسلام کا آپ نے مطالعہ کیا۔ نوخیز شہزادے کے دل میں اس تمام تعلیم و تربیت اور مطالعہ کی وجہ سے کیسی کیسی آرزوئیں اور امنگیں پیدا ہوئیں، ان کا پتہ چلانا ہو تو دسمبر ۱۹۱۱ء کے رسالہ صوفی میں شائع شدہ آپ کی دعا پڑھی جائے جس میں آپ نے شوکت اسلام اور جنونِ مذہب کیلئے درگاہ رب العالمین میں عرض کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"اے خدا تو بڑا کارساز ہے تیرے احاطہ قدرت سے بعید نہیں کہ پھر ہماری

marfat.com

قوم میں خالدؓ جیسے جواں مرد، عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے عادل، حضرت عمرؓ جیسے مدبر پیدا ہوں۔ اے خدا تیری شانِ کبریائی سے دور نہیں کہ ہمارے دلوں میں بلالؓ اور اویسؓ جیسی محبت بھڑک اٹھے۔ اور تیرے حبیبؐ کی محبت کے جذبات سے ہمارا سینہ آتشِ اشتیاق سے شعلہ زن ہو۔

دیکھئے! یہ ایک سترہ سالہ نوجوان کی دعا ہے۔ اس کے تمام عناصر سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے لئے کیا کیا چاہتے تھے۔ ہر شے سے زیادہ آپ کو جو چیز عزیز تھی وہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آتشِ اشتیاق کا شعلۂ جوالہ تھا!

یہ دعا دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی۔ آپ کی ساری زندگی اس کی تفسیر ثابت ہوئی۔ فوری طور پر یہ ہوا۔ کہ شعبان ۱۳۳۱ھ کی بارہ یا تیرہ/جولائی ۱۹۱۳ء کی سترہ یا اٹھارہ تاریخ سے بعد کی رات آپ سوئے تو حضور سرورِ کائنات مفخرِ موجودات رحمۃ العالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ منورہ طلب فرمایا حالانکہ دن کو اپنے برادر اصغر سید محمد مہر شاہ صاحب کے علاج کے سلسلے میں مری جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ آپ نے صبح اٹھتے ہی سفرِ حج اختیار کرنے کا اظہار فرما دیا اور ۲ شوال المکرم ۱۳۳۱ھ/۴ ستمبر ۱۹۱۳ء کو آپ اس مبارک سفر پر روانہ ہو گئے۔ لاہور، دہلی، جے پور کو بہ نظرِ غائر دیکھتے اور اجمیر شریف کی زیارت کرتے ہوئے بمبئی پہنچے۔ وہاں چند روز قیام کیا اور شہر کو اچھی طرح سے دیکھا۔ بحری جہاز پر سوار ہو کر آپ پورٹ سعید تشریف لے گئے۔ قاہرہ کے تاریخی مقامات اور اہرام مصر کو دیکھا۔ پھر بیت المقدس جا کر انبیائے کرام کے مزارات اور مسجد اقصیٰ کی زیارت کی۔ وہاں سے بحری رستے سے دمشق تشریف لے گئے اور اس اسلامی شہر کی سیر کی اور وہاں سے حجاز ریلوے کے ذریعے مدینہ منورہ رسائی ہوئی۔ آنحضور صلی اللہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے اور دل کی حسرتیں پوری کیں۔ اونٹوں پر درمیانی سفر طے کر کے مکہ معظمہ پہنچے، کعبۃ اللہ کے طواف سے مشرف ہوئے۔ فریضۂ حج ادا کیا۔ اور دسمبر ۱۹۱۳ء کے وسط میں آپ سفرِ حجاز

marfat.com

سے گھر مراجعت فرما ہو گئے

ساڑھے تین ماہ کا یہ سفر آپ کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جس طرح موسمِ بہار شروع ہوتے ہی گلہائے رنگارنگ یک لخت کھل پڑتے ہیں۔ آپ کی ذاتِ مبارک کے جملہ اوصاف عالیہ بھی اس سفر میں دفعتہً بروئے کار آ گئے۔ آپ نے اپنا سفر ہمہ روزنامچے کی صورت میں تحریر فرمایا ہے۔ صداقت اور حقیقت پر مبنی ایسے سفرنامے آپ کو بہت کم ملیں گے۔ اس سے پہلے آپ نے اپنے ضلع کا صدر مقام جہلم تک بھی نہیں دیکھا تھا۔ عمرِ مبارک صرف انیس برس تھی۔ اسی لئے شفقت پدری کی بنا پر حضرت قبلہ ثانی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے آپ کے ساتھ ملک محمد الدین میز صوفی جیسے اشخاص روانہ کئے۔ مگر آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا کمال ہے آپ کے تمام ساتھی آپ کے اشارے کے منتظر رہتے تھے۔ ابتدا ہی سے آپ ان سب سے زیادہ صاحب فہم اور مستعد ثابت ہوئے۔ اور آپ نے اس باریک بینی، بالغ نظری اور بلند خیالی سے اہم اور تاریخی مقامات کو دیکھا۔ اور تمام شہروں کے حالات کا جائزہ لیا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ زندگی کے تمام کوائف خواہ وہ جدید تھے یا قدیم آپ کی نگاہ سے گزرے اور آپ نے ان کے متعلق نہایت ہی صائب رائے قائم کی۔ یہ امر بھی تعجب خیز ہے کہ کس طرح آپ کی روحانی استعدادؑ کو دیکھ کر اولیائے کرام اور انبیاء علیہم السلام نے اپنے فیض سے آپ کو نوازا۔ امیر خسروؒ کے مقبرہ پر مستانہ اور البیلی کیفیات اور تاثیرِ عشق کا غلبہ آپ نے اپنے قلب میں محسوس کیا۔ شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ کے مزار پر آپ کی آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوا۔ اور شاہ صاحب کی ذات کو آپ نے خدا کی ذات میں گم پایا۔ خواجہ غریب نواز اجمیری کے مزار سے انوار و تجلیات کا ایسا نمود دیکھا کہ سارا مکان نور سے بھرا ہوا تھا۔ ایسا لطف اور سرور حاصل ہوا کہ "ذوق ایں مے نشناسی بخدا تانہ چشی"؎ طبیعت کو از حد انشراح نصیب ہوا اور روح کو انبساط۔ دمشق کے صالحیہ قبرستان میں محی الدین ابن عربیؒ کے مزار پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور شیخ صاحب کی روحانی فتوحات سے

؎ یہ الفاظ حضور کے اپنے ہیں۔

marfat.com

استفادہ کثیر ہوا۔ تمام سفر کے دوران میں اپنے جدِ بزرگوار حضرتِ اعلیٰ خواجہ غریبؒ نواز کے روحانی تصرفات آپ کی نگہبانی کرتے رہے۔ جلال پور شریف سے روانگی پر کشتی میں سوار تھے تو ایک پیر بھائی صدمہ مفارقت کے باعث دریا میں کود پڑا۔ دو اور درویش بھی پُرسوز قوالی سن کر وجد و رقص کی حالت میں چھلانگ لگانے کو دوڑے تو آپ نے حضور کی روحِ مبارک سے استدعا کی اور خطرہ ٹلا۔ اسی طرح دمشق میں شیخ کردیؒ کے مزار سے نکلے ہوئے پاؤں کو چھونے سے آپ پر ایک وحشت طاری ہوئی تو حضرتِ اعلیٰؒ سے استمداد کے بعد طبیعت بحال ہوئی۔ آپ نے اس بات کا اہتمام بھی تمام سفر میں جاری رکھا کہ جملہ اوراد و وظائف قضا نہ ہوں۔

انبیاء علیہم السلام کے مزاراتِ مقدسہ کے فیوض کا ذکر بھی ضروری ہے۔ بیت المقدس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مزار عالی پر طبیعت میں بہت ہی رقت اور درد پیدا ہوا۔ اور ان کے روحانی فیوض سے آپ نے خطِ وافر اٹھایا۔ کیوں نہ ہوتا ابوالانبیاء تھے اور توحیدِ خداوندی کے بہت بڑے داعی۔ سیدنا یوسفؑ کے مزار پر گئے تو ماہِ کنعان کی محبت خود بخود دل میں موجزن ہو گئی اور دیر تک ایک عجیب لطف سے حلاوت اندوز ہوتے رہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزار پر بھی بڑی رقت طاری ہوئی۔ اور دمشق میں امہات المومنین ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ امِ حبیبہؓ اور سیدہ امِ سلمہؓ کے مزارات پر وہ نورانیت برستی دیکھی کہ سبحان اللہ۔ مؤذنِ رسول مقبول بلال رضی اللہ عنہ کے مزار مقدس پر بھی دمشق قدیم میں بہت ہی رقت طاری ہوئی اور ان کی محبت سے بے اختیار ہو کر کٹہرے کو بوسہ دیا۔ لیکن انتہا درجہ کی رقت آپ پر قاہرہ میں سیدنا حسینؓ کے سر مبارک کے مبینہ مدفن پر حاضری کے وقت طاری ہوئی اور آنسو نکل پڑے۔

بہتر ہو گا کہ اس مرحلے پر اربابِ علم اور اہل نظر ذرا اس بات کی طرف متوجہ ہوں کہ حضور صاحبزادہ صاحب کی نسبت روحانی میں بڑی جامعیت تھی۔ امیر خسروؒ کے عشق، حضرت شاہ کلیم اللہ کے مقامِ فنا و بقا، خواجہ غریبؒ نواز اجمیری کی روح مقدس کے انوار رحمتِ عام، محی الدین ابن عربی کے اسرارِ توحید مطلق، حضرت ابراہیم خلیلؑ اللہ کے مقامِ خلت سے نزول کرنے

marfat.com

والے انوارِ توحیدِ خالص، سیدنا یوسفؑ کے ذوقِ عبودیت کاملہ، سیدنا یحییٰؑ کے کتاب اللہ سے کامل تمسک، ازواج النبیؐ کے اذواتِ مطہرہ سے شیوع پذیر انوار نبوت، مؤذنِ رسولؐ مقبول کی بے مثال نسبتِ حضوری اور سیدنا حسینؓ کی بے مدیل صفت تسلیم و رضا سے جناب صاحبزادہ صاحب نے یکساں اکتسابِ فیض کیا۔ یہ تمام اسرار و رموز آپ اپنی تقاریر میں بڑے جذب اور کیف کے ساتھ بیان کر جاتے تھے۔ اور ساتھ ہی حسبِ حال فارسی یا اردو کے شعر بھی پڑھتے تھے۔ لیکن افسوس ہے ہمیں شعور نہ تھا۔

ان روحانی امور کے علاوہ آپ کے دل میں امتِ مسلمہ کا جو درد تھا اور آپ کے قلب میں حمیتِ دینی نے جو سیمابی کیفیت پیدا کر رکھی تھی۔ سفرنامے سے وہ بھی عیاں ہے۔ جنگ طرابلس اور محاصرۂ ادرنہ انہیں ایام کے واقعات تھے۔ غازی انور پاشا ترک جرنیل کے کارنامے لوگوں کی زبان پر تھے۔ آپ نے سفر کے دوران ان میں بڑی دلچسپی لی۔ قاہرہ میں جامع ابن عاصؓ کو عقیدت سے دیکھا کیونکہ مشہور صحابی حضرت عمر ابن العاصؓ فاتح مصر کی یاد میں کوئی ہزار سال پہلے تعمیر ہوئی تھی۔ دمشق میں آپ کو وہ واقعہ یاد آیا جب حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ اور حضرت خالدؓ بن ولید اس شہر میں فاتحانہ طور پر دو مختلف اطراف سے داخل ہوئے تھے۔ دمشق میں آپ نے حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور کئی صحابہ کرامؓ کے مزارات مقدسہ دیکھے اور مسلمانوں کی فاتحانہ یلغاریں نگاہوں کے سامنے پھر گئیں۔ صلیبی جنگوں کے مجاہدِ کبیر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے مزار پر ان کی روح سے آپ نے استعانت کے لئے دعا مانگی اور کہا درگاہِ الٰہی میں ان کو جو تقرب حاصل ہے اس کے وسیلے سے للہ مسلمانوں کے مفتوحہ ملک واپس دلا دیں۔ ہندوستان میں انگریزوں نے مچھلی بازار کان پور کی مسجد میں مسلمانوں پر گولی چلا دی تھی۔ بڑا دردناک واقعہ تھا۔ حجاز ریلوے میں سفر کرتے ہوئے اس کے متعلق آپ نے ایک درد انگیز نظم لکھی اور مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر بارگاہ نبویؐ میں پیش کی۔ گویا مسلمانوں کا حال اور ماضی آپ کی نگاہوں میں پھر رہا تھا۔ سادر اس نے ملت کا موجودہ حالِ زار آپ نے اس

marfat.com

مقامِ ارفع داعلیٰ پر جا بیٹھی کیا جو زمین اور آسمان کے درمیان مسلمانوں کیلئے واحد دارالامان ہے گنبدِ خضرا پر حاضری کے لئے آپ کو جلال پور شریف سے طلب کیا گیا تھا اور بمبئی سے روانگی کے بعد سمندر کی تنہائیوں میں ہر بات کو بھلا کر حضور رحمۃ للعالمین کی یاد میں آپ کبھی اپنے لکھے ہوئے نعتیہ شعر گنگناتے تھے اور کبھی کہتے جو کشش سلمانؓ کو فارس، صہیبؓ کو مصر اور بلالؓ کو حبش سے کھینچ کر کوئے حبیبؐ میں لے گئی تھی۔ وہی بڑے دل نواز انداز میں ہمیں بھی وہاں لے جا رہی ہے۔ اس لئے گنبدِ خضرا کے سامنے آپ کے قلب و روح کی جو کیفیت ہوئی ہوگی وہ بیان سے باہر ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب فرزند تھے۔ اور جن لوگوں نے کتاب "سیرت النبیؐ بعد از وصال النبیؐ"[لہ] کا مطالعہ کیا ہے اور انہیں علم ہے کہ آنحضور (روحی فداہ) کا جسدِ نورانی اپنے عزیزوں اور نیازمندوں کو ساعتِ وصال سے لے کر اب تک کس طرح خواب یا عالمِ بیداری میں اپنے جلوؤں سے نوازتا چلا آرہا ہے اور کلامِ سحر البیان سے بھی فردوسِ گوش بنتا ہے وہ اپنی چشمِ تصور سے ان عنایات کا مشاہدہ کرنے کی کوشش کریں جو ہمارے مخدوم صاحبزادہ صاحب پر ہوئی ہوں گی۔ ان کے مدارجِ روحانی کو کس طرح فلک الافلاک سے بھی زیادہ بلندی عطا کی گئی ہوگی اور ان کے دلِ دردمند کی ایک ایک بات کو کس طرح شرف پذیرائی بخشا گیا ہوگا۔ آپ کے سارے سفرنامے کو اس نقطۂ نگاہ سے ایک بار پھر پڑھیں۔

سفرِ حج کے دوران میں آپ کے زورِ خطابت اور اسلوبِ بیان کا کمال بھی نگاہوں کے سامنے آیا۔ سفرنامہ آپ کے اسلوبِ بیان کا زندہ شہکار ہے۔ اور جب آپ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف اونٹوں پر سفر کر رہے تھے اور اونٹوں کے مالک حرصِ مال کی بنا پر بگڑ کر آپ کے قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے تو آپ نے عربی زبان میں ایسی اثر انگیز تقریر کی کہ وہ نادم ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے۔ زندگی میں یہ آپ کی پہلی تقریر تھی۔ اور ہاں وہ خوش بخت انسان جس نے سب سے پہلے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی وہ بھی ادھر کا درویش نامی ملاح تھا۔

لہ یہ کتاب ۱۹۷۹ء میں بڑی تحقیق کے بعد عبدالمجید صدیقی نے لاہور سے طبع کرائی ہے۔ اس میں مسلمہ بزرگان کے ذاتی تجربات بیان ہوئے ہیں۔

marfat.com

جسے برطانیہ نے یافہ میں اپنا قونصل مقرر کر رکھا تھا ـــــ یہ ہے حضور کے سفرِ حج کی داستانِ روح پرور اور ذہن افروز۔

واپسی پر آپ نے پھر سلسلۂ تعلیم شروع کر دیا۔ حضرت ثانی صاحب پر استغراق کی کیفیت کا غلبہ ہو گیا۔ لنگر شریف کے انتظامات اور پیر بھائیوں کی تربیت کی طرف بھی آپ کو متوجہ رہنا پڑھتا تھا۔ ابوالکلام آزاد کی پُرجوش تحریرات اور اقبال کی حمیت پرور منظومات کا مطالعہ بھی شروع تھا۔ گاہے گاہے مقالات بھی لکھتے تھے۔ سفرِ حج سے پہلے ایک مقالے میں آپ نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ مسلمانوں کے لئے سرتاسر مفید تقسیم بنگال کو ہندوؤں نے جس طرح شورش اور دہشت انگیزی سے منسوخ کرایا تھا اگر انگریزوں سے انھوں نے اسی طرح حکومتِ خود اختیاری کا مطالبہ بھی منظور کرا لیا۔ اور خدانخواستہ مسلمان ان کے محکوم ہو گئے تو بڑی مصیبت آئے گی۔ ۱۹۱۳ء میں یہ ایک انیس سالہ نوجوان کے خیالات تھے۔ آپ مسلمانوں کے لئے برصغیر میں اقتدارِ اعلیٰ چاہتے تھے۔ ایامِ ولیعہدی میں حضرت ثانی صاحبؒ سے آپ نے یہ بھی طے کرایا تھا کہ آپ کے خورد سال بھائیوں صاحبزادہ محمد کرم شاہ اور صاحبزادہ محمود شاہ صاحبان کو جدید تعلیم دلائی جائے۔ ۱۹ ربیع الآخرہ ۱۳۳۵ھ ۱۲ فروری ۱۹۱۷ء کو قبلہ ثانیؒ صاحب کا وصال ہو گیا۔ اور آپ سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کا پہلا نکاح سید نواب شاہ صاحب کی دختر والا گہر سے ہوا تھا۔ وہ جلد وفات پا گئیں۔ اور اپریل ۱۹۱۷ء میں آپ کا نکاح ثانی مکان شریف امرتسر (بھارت) کے مشہور نقشبندیہ گھرانے میں ہوا اور آپ کے بلند اختر خلفِ اکبر سید برکات احمد شاہ صاحب کی ولادت باسعادت ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ / ۴ فروری ۱۹۱۸ء کو ہوئی۔

مسند نشینی کے وقت حضرت ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب کی عمر مبارک تیئس سال تھی۔ حسن و جمال اور جاہ و جلال کا کمال تھا۔ میانہ قد، کشادہ سینہ، مضبوط جسم، لمبے بازو، گورا چمکیلا رنگ بڑی بڑی سیاہ اور روشن آنکھیں، بلند بینی، نور آفرین کشادہ پیشانی، محاسن مبارک گھنے اور دلکش، چہرہ مبارک جمال اور جلال کا مرقع۔ جب آپ نفیس عینک پہنے، شلوار اور

marfat.com

خوبصورت اچکن زیب تن کئے، سر مبارک پر ململ کی طرّہ دار دستار باندھے، رواں ہوتے تھے تو زمانہ بلائیں لینے آتا تھا اور ہر شخص دل و جان سے چاہتا تھا۔ حضور کی جلو میں شمولیت حاصل کرے۔

مسند نشینی دراصل تاج پوشی کے مترادف تھی۔ ایک وسیع سلطنت آپ کے حوالے کر دی گئی تھی۔ جس کے کاروبار کو ہر طرح فروغ دینا آپ کا فرض تھا۔ حاسد اور بداندیش لوگوں کی حرکات ناشائستہ کی وجہ سے آپ کی طبیعت سخت منغض ہوئی۔ لنگر شریف کے اقتدار میں اضافہ ہو رہا تھا۔ عناد پیشہ لوگوں کو یہ بھی پسند نہ تھا۔ لیکن آپ نے ان باتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی مبارک مساعی جاری رکھیں۔ فرصت کے اوقات میں آپ رسالہ صوفی کے لئے مقالات لکھتے تھے صوفی محمد الدین صاحب نے کتاب سیرۃ الزہراؓ مرتب کی اور آپ نے اس کا ایمان افروز مقدمہ تحریر فرمایا۔ انہی ایام میں آپ نے درس محبت کے عنوان سے تمام مسلمانوں کو پیغام دیا کہ تمام اختلافات بھلا کر صحیح معنوں میں بھائی بھائی بن جائیں۔ قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کریں۔ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اپنی جانوں کو وقف کر دیں اور ایک زندہ، متحد اور متحرک قوم بن جائیں۔ ان دینی اور تبلیغی امور کی طرف متوجہ رہتے ہوئے آپ نے حضرت اعلیٰ کا جمیل اور جلیل روضہ شریف تعمیر کرایا۔ جس کی تکمیل ۱۹۲۲ء میں ہوئی۔ جب آپ کا سن مبارک ابھی ۲۸ سال تھا۔ پختگی، مضبوطی اور حسن تناسب و تکمیل کے اعتبار سے یہ عہدِ مغلیہ کی عمارات کے ہم پلہ ہے اور حضور کی عظمت فکر و عمل کا تابندہ شاہکار ہے۔ اس سال آپ کو ایک سخت صدمہ بھی ہوا۔ حضرت سید برکات احمد شاہ صاحب کے بعد ۱۹۱۹ء میں آپ کے دوسرے فرزند سید حسنات احمد صاحب کی ولادت ہوئی تھی۔ ۲۱ مارچ ۱۹۲۲ء کو سید لمعات احمد صاحب متولد ہوئے اور اکیس روز بعد ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کا نکاح ثانی ماجدہ مرحومہ کی حقیقی بھانجی صاحبہ سے ہوا۔ اور سید شفقات احمد صاحب، سید جمیل احمد صاحب اور سید طارق احمد صاحب ان کے فرزند ہیں۔ ان ایام کا ایک اور قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے ملک محمد الدین صاحب مدیر "صوفی"

marfat.com

سے حضرت اعلیٰ کے حالات، ملفوظات اور کرامات پر مشتمل ذکرِ حبیب کے نام سے ایک ایمان آفریں روح پرور اور بصیرت افروز کتاب طبع کرائی۔ جس کا مقدمہ کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی اردو زبان میں آپ نے خود لکھا۔

زمانے کے حالات روز بروز نہایت ہی المناک صورت اختیار کر رہے تھے۔ جنگ عالمگیر اوّل (۱۹۱۴ء — ۱۹۱۸ء) میں ترکوں کو شکست ہوئی تھی اور خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ ہندوستان بھر کے مسلمان بے حد مضطرب ہوئے۔ پھر انگریزوں کی دسیسہ کاریوں سے شریفِ مکّہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اس کی جگہ سلطان عبدالعزیز ابن سعود والیِ نجد و حجاز بنے۔ حجاز میں مزاراتِ مقدسہ کی بے حرمتی ہوئی اور مسلمانانِ ہند کے درد و کرب کی انتہا نہ رہی۔ باغ جلیانوالہ امرتسر میں ایک انگریز جرنیل نے بے دردی سے گولی چلائی اور سینکڑوں مسلمان اور ہندو ہلاک اور مجروح ہوئے۔ اس کی وجہ سے کانگرس نے ترک موالات کی تحریک چلائی۔ علی برادران نے تحریک خلافت پہلے چلا رکھی تھی۔ ان دونوں تحریکوں کا آپس میں تعاون ہو گیا اور ہندوستان میں گویا آگ لگ گئی۔ ۱۹۲۱ء میں مالابار کے موپلا مسلمانوں پر انگریزوں نے سخت مظالم کئے۔ افغانستان میں انگریزوں نے سازش کر کے ۱۹۲۹ء میں جوان ہمت اور بلند نظر حکمران امیر امان اللہ خان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ ادھر اندرون ہند سوامی شردھانند نے شدھی تحریک شروع کر دی تھی اور راجپوت مسلمانوں کو ہندو بنانا شروع کر دیا تھا۔ عیسائی پادری بھی عرصہ سے مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں لگے ہوئے تھے۔

ان تمام زہرہ گداز حالات کو دیکھ کر حضرت ابوالبرکات تڑپ اٹھے۔ آپ نے تحریکِ خلافت کا ساتھ دیا اور جلسوں میں شامل ہوئے۔ موپلوں کے ساتھ شریکِ غم ہوئے۔ ہندوستان میں رہتے ہوئے امیر امان اللہ خان کے ساتھ واضح الفاظ میں اظہارِ ہمدردی کیا۔ راجپوتوں کو شدھی سے بچانے کے لئے آگرہ گئے جو شدھی تحریک کا مرکز تھا۔ اور اس کے ساتھ مزید عملی اقدامات بھی کئے۔ تبلیغ اسلام کی خاطر جب ۲۹، ۳۰ دسمبر ۱۹۲۹ء کو تمام مسلمانانِ ہند کی طرف سے لاہور میں جلسہ منعقد ہوا تو آپ صدر تھے۔ آپ نے ان تمام حالات پر جن الفاظ میں تبصرہ فرمایا وہ اس قابل ہیں کہ انہیں

marfat.com

یہاں دہرایا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"آسمان سے جتنی بلائیں نازل ہوتی ہیں دنیا میں جتنی مصیبتیں اُترتی ہیں، جہان بھر کی جتنی لعنتیں برستی ہیں، آج کل خانہ ۲ نوری کی طرح ان سب کا مہبط و مورد خانہ مسلم ہے۔"

لیکن آپ نہ تو مولانا محمد علی جوہر کی طرح گاندھی سے تعاون کرنا چاہتے تھے۔ نہ ابوالکلام آزاد کی طرح ہندو کانگرس میں شامل ہونا چاہتے تھے اور نہ ہی مولانا حسین احمد مدنی کی طرح ہندوؤں کے انداز میں وطن پرست بننا چاہتے تھے، کیونکہ آپ کی نگاہ کے سامنے ہندوؤں کے عزائم واضح تھے۔ ہندو یہاں برصغیر میں رام راجیہ چاہتے تھے اور آپ مسلمانوں کو اَنتُمُ الاَعلَونَ کا مصداق دیکھنا چاہتے تھے۔

اس وقت مسلمانوں کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات المناک تھے۔ ان سے حکومت چھیننے کے بعد انگریز نے انہیں بُری طرح مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ تعلیمی لحاظ سے وہ پسماندہ تھے، معاشی اعتبار سے مفلوک الحال تھے، اور معاشرتی نقطہ نگاہ سے فرقہ بندی اور تشتت کا شکار ہو چکے تھے۔ سیاست کا اول تو انہیں شعور ہی نہیں تھا اور اگر کچھ تھا تو ان کی دوڑ دھوپ خدمتِ سرکار تک محدود تھی۔ اور ان میں جو خواص تھے وہ گاندھی جی کی مہاتمائیت کے دام میں پھنس چکے تھے۔ آزادیٔ کامل کا تصور تک ان کے ذہن میں نہیں آتا تھا۔ الٹا ان کے کانوں تک یہ آواز پہنچائی جا رہی تھی کہ انگریز کی وفاداری ہر طرح واجب ہے اور اب جہاد کا زمانہ نہیں رہا۔ چونکہ انگریز نے آتے ہی مسلمانوں کے شاندار نظامِ تعلیم کو معطل کر کے رکھ دیا تھا۔ اس لئے اعلیٰ درجے کے علماء تقریباً مفقود ہو چکے تھے اور تبلیغ کا کام صرف شہروں میں ہوتا تھا۔ دیہات کو نظر انداز کیا جاتا تھا۔ صوفیاء کی مجالس میں بھی الا ماشاء اللہ اب گرمیٔ عشق نہیں رہی تھی۔ گویا مسلمان خاک کا ڈھیر بن چکے تھے۔

حضرت قبلہ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب اپنی غیر معمولی روحانیت، عظیم ذہنی اور

marfat.com

فکری اہلیت، بے پناہ زورِ خطابت اور صاعقہ افگن قوتِ تحریر سے کام لے کر مسلمانوں کی مردہ قوم کو از سرِ نو زندہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ عام اہلِ فکر کی طرح خلوت نشین نہیں رہنا چاہتے تھے۔ بلکہ جلوت میں آکر مسلمانوں تک اللہ کا وہ پیغام پورے جوشِ جہاد کے ساتھ پہنچا دینا چاہتے تھے جس نے قرونِ اولیٰ میں ایک ایسی قوم کو بے مثال حرکت و عمل کا عطیہ دیا تھا۔ جس کا اقوامِ عالم میں کوئی نام تک نہیں لیتا تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح انہیں بیک وقت انگریز اور ہندوؤں دونوں کے چنگل سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح قم باذن اللہ کہہ کر انہیں حیاتِ تازہ کی نعمتوں سے مالا مال کرنا چاہتے تھے۔ ان کے سینے میں جو درد تھا وہ انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔ وہ سوچتے تھے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا دنیا میں کیوں ذلیل و رسوا ہوں، کیوں نہ اپنی عظمتِ رفتہ کو وہ پھر حاصل کر لیں۔

چنانچہ للّٰہیت کے عجیب و غریب جذبے کے ساتھ انھوں نے ۱۹۲۷ء میں حزب اللہ کے نام سے ایک عظیم تحریک کا آغاز کیا۔ اس کے قواعد و ضوابط مرتب کئے، اس کا لائحہ عمل تیار کیا۔ اس کی توضیح کے لئے رسالہ حزب اللہ لکھا، جسے اب بھی پڑھا جائے تو جوشِ عمل سے وجود لبریز ہو جاتا ہے۔ جلالپور شریف اس تحریک کا مرکز قرار پایا۔ تمام نے بالاتفاق آپ کو امیر حزب اللہ بننے کی درخواست کی اور پھر اہلِ عالم نے اپنی آنکھوں سے وہ نظارہ دیکھا جسے فقرِ اسلامی کا ایسا رزمیہ کارنامہ کہا جائے جو تاریخِ عالم میں بدیع المثال ہے تو بجا ہے۔ رزم ہمت و شجاعت، پامردی اور استقلال، بلند نظری اور عالی ظرفی، بے غرضی اور بے نفسی، انسان پروری اور انسان نوازی، شرافت آموزی اور تہذیب دوستی کی داستان ہوا کرتی ہے۔ لوگوں نے تو قوتِ متخیلہ کے زور سے لکھی ہوئی ایسی داستانیں پڑھی ہوں گی۔ مگر ہم نے اپنی آنکھوں سے ایک عظیم رزمیہ داستانِ حقیقی کو انہی فضاؤں میں تکمیل پذیر ہوتے دیکھا۔ ہزارہا لوگ اب بھی ایسے موجود ہیں جو یہاں قلم سے نکلتے ہوئے ایک ایک لفظ کی تائید کریں گے۔ قارئین کرام جنہوں نے حضور کے بچپنے سے لے کر اب تک کے حالات پڑھے ہیں اور حضور کی شخصیتِ مبارکہ کو

marfat.com

سمجھنے کی کوشش کی ہے وہ بھی صاد کریں گے کہ ایسا ہونا بالکل ممکن ہے۔

حضورِ قد آدم مطبوعہ اشتہار تمام علاقوں میں پہنچا دیا کرتے تھے۔ جس میں دورے کا پروگرام درج ہوتا تھا۔ اس میں قمری۔ انگریزی اور دیسی مہینوں کی تاریخیں اور ساتھ ہی دن بھی لکھے ہوتے تھے۔ تین تین ماہ کا دورہ ہوتا تھا۔ پنجاب، کشمیر، سرحد اور سندھ کے دیہاتی مقامات ہوتے تھے۔ اور حضور اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہر مقام پر وقت مقررہ پر پہنچ جاتے تھے۔ باد و باراں، سردی، گرمی، دریا، صحرا، پہاڑوں کی چوٹیاں اور سطح مرتفع کے کٹے پھٹے رستے آپ کے پروگرام میں حائل نہیں ہو سکتے تھے۔ کئی بار حادثات بھی ہوئے مگر آپ نے منتظر ہجوم کو مایوس نہ ہونے دیا لگاتار تیس سال سے زیادہ عرصہ تک ان علاقوں میں رہنے والوں نے پابندیٔ اوقات اور جوان ہمتی کے اس فقید المثال کارنامے کو آنکھوں سے دیکھا۔ بڑے جوش و خروش سے آپ کا استقبال کیا اور کان دھر کر آپ کی پُرجوش خطابت کو سنا جاتا۔ سائبان ہوتا یا کھلا میدان، سٹیج موجود ہوتا یا یونہی مٹی کا ایک ڈھیر، کرسی پر بیٹھ کر آپ اپنا دردِ دل بیان کرنا شروع کر دیتے تھے۔ آیاتِ قرآنی، حدیثِ نبویؐ، فارسی، اردو اور عربی کے اشعار جوش انگیز لَے سے پڑھ کر آپ حمیتِ ملی کا درس دیتے، شاندار ماضی کے واقعات بیان فرماتے، روشن مستقبل کی امید دلاتے۔ اتحاد و اتفاق کی تلقین کرتے۔ جہاد کی اہمیت، ضرورت اور حیات پروری کا ذکر ہوتا۔ اور احکم الحاکمین کے مخلص اور وفادار بندے بننے کی تعلیم دیتے۔ کاش اس زمانے میں ٹیپ ہوتے اور آپ کی ایمان افروز اور جوش پرور فصیح و بلیغ تقاریر کو ریکارڈ کیا جا سکتا۔ ہم کتنا گراں قدر تاریخ آفرین ذخیرۂ خطابت کھو بیٹھے ہیں۔ آپ کا مقصدِ حیات حکومتِ الٰہیہ کا قیام تھا۔ آپ نے ہر جگہ نماز روزہ کی پابندی اور دین و شریعت کے احکام کی ترویج کا انتظام کیا۔ ساتھ ساتھ آپ نے رسم و رواج کی اصلاح بھی کی۔ معاشی فلاح کی طرف بھی توجہ دی، حزب اللہ کے رضا کار بھرتی کئے۔ یہی رضا کار حزب اللہ کے سالانہ جلسے اور عرس مبارک میں شمولیت کے لئے ہر سال اطراف و اکناف سے رجز خوانی کرتے ہوئے آتے تھے تو فضاؤں میں گونج پیدا ہو جاتی تھی۔

marfat.com

جلال پور شریف میں وردی پہنے اور تلوار لٹکائے ہزاروں رضا کاروں کی پریڈ کا منظر بھی دیدنی ہوتا تھا۔ ذرا غور فرمائیں حضور کے دلِ گرم اور بے پناہ قوتِ عمل کی وجہ سے تمام معاشرے میں عجیب وغریب بامقصد حرکت پیدا ہو گئی تھی اور دین اور شریعت کو نئی زندگی نصیب ہوئی۔

حزب اللہ کے سالانہ جلسے میں ۵، ۶ جمادی الثانی کی درمیانی رات کو ہزارہا حاضرین کے سامنے آپ عام طور پر لکھا ہوا خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اس میں آپ حزب اللہ کی رفتارِ کار، حالات زمانہ، ملتِ اسلامیہ کو درپیش مسائل اور آئندہ کے طریقِ کار کا ذکر فرماتے تھے۔ اپنے خطبات میں جنگِ عالمگیر دوم (۱۹۳۹ء - ۱۹۴۵ء) کی رفتار اور اس کے اثرات اور نتائج کے متعلق بھی آپ سال بہ سال تبصرہ فرماتے تھے اور اچھے اچھے اہلِ نظر آپ کی بصیرت کو دیکھ کر رطب اللسان ہوا کرتے تھے۔ آپ اپنے خطبات چھپوا کر اگلے دورے کے وقت ہر مقام پر تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اور اس طرح اراکین اور رضا کاران حزب اللہ کی تربیت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ قیامِ حزب اللہ کے وقت سے ان علاقوں میں جو کچھ ہوا اس کی وجہ سے لوگوں کی ذہنیتوں میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک لاہور میں جہاں مینار پاکستان تعمیر کیا گیا ہے مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس منعقد ہوا اور قائد اعظم محمد علی جناح کی صدارت میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی۔ حضرت امیر حزب اللہ ۱۹۲۷ء سے مسلمانوں کی آزاد مملکت کے لئے بڑی اولوالعزمی سے زمین تیار کر رہے تھے۔ یہ گویا آپ کے خوابوں کی تعبیر تھی۔ اس لئے تحریک پاکستان کے ساتھ آپ نے غیر مشروط تعاون کا اعلان فرما دیا۔ اور اپنی مساعی کو تیز کر دیا۔ آپ نے اس بات کا بھی اعلان فرما دیا کہ پاکستان کا مقصدِ وحید حکومتِ الٰہیہ کا قیام ہے۔ ہندو اور سکھ مخالفت پر تُل گئے آپ نے انہیں دندان شکن جواب دیئے۔ ماسوہ اللہ سے مکمل انقطاع اور اللہ کے دامنِ عافیت میں پناہ لینے کا پیغام ان فیصلہ کن سالوں میں آپ نے جس بلند ہمتی سے دیا اس کی مثال صرف قرونِ اولیٰ سے مل سکتی ہے۔ ۱۹۴۶ء میں انتخابات ہوئے اور جس مجاہدانہ سرگرمی سے کام لے

marfat.com

کر آپنے مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب کرایا۔ اس کا ذکر تاریخ پاکستان میں جلی عنوان سے ہونا چاہیے۔ محمد عربی صلی اللہ وسلم کی غلامی کو ہر شئے سے افضل اور برتر سمجھنے کی وجہ سے آخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں کو پاکستان کا آزاد اسلامی ملک مل گیا۔ تخلیق پاکستان میں آپ کا حصّہ اس قدر وقیع ہے کہ مشایخ اور علماء میں سے کوئی بھی آپ کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ بلکہ حزب اللہ کا عامی سے عامی رکن اب تک کہہ رہا ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ پاکستان حضرت امیر حزب اللہ کی ان تھک کوششوں کا ثمرہ ہے۔ حزب اللہ کی تمام مصروفیتوں کے باوجود آپ نے ہندوؤں سے طویل مقدمہ کے بعد جامع مسجد کے لئے زمین حاصل کی اور پھر اس میں وسیع وعریض مسجد تعمیر کرائی اس کے مینار آپ کی رحلت کے باعث نامکمل رہ گئے۔

قیام پاکستان کے بعد یکم دسمبر ۱۹۶۶ء تک آپ اس دنیا میں رہے۔ لیکن آپ عمال حکومت کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھے۔ ملتِ اسلامیہ جن مسائل سے دوچار ہوئی آپ بدستور اپنی مومنانہ بصیرت سے کام لے کر رہنمائی فرماتے رہے۔ آپ نے اپنی حیاتِ مستعار میں امتِ مسلمہ کے لئے صلاح الدین ایوبی اور جمال الدین افغانی والا کارنامہ انجام دیا۔ ہندوؤں نے حیدر آباد دکن اور جوناگڑھ پر قبضہ کرنے کے علاوہ کشمیر کو غصب کرنا چاہا تو جہادِ کشمیر میں حصہ لینے کے لئے آپنے اپنے رضاکار روانہ کئے۔ بعض علماء اس وقت بھی اس طرح فقہی موشگافیاں کرتے رہے۔ جس طرح کم نظری کی بنا پر تحریک پاکستان کے دوران میں انھوں نے کی تھیں۔ مگر آپنے واشگاف الفاظ میں فرمادیا۔ جس کی شمشیر اسی کا کشمیر۔ ۱۹۵۸ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ زندگی بھر کی مسلسل تگ ودَو اور مختلف جسمانی عوارض کے باعث آپ کمزور ہوگئے تھے اور دوروں میں کئی سالوں سے لاری کے سفر کے بعد نیازمند آپ کو پالکی میں بٹھا لیا کرتے تھے۔ اور عجیب ذوق و شوق سے گیت گاتے ہوئے ناہموار راستوں پر اٹھا کرلے جایا کرتے تھے۔ آپ کے دلوں میں کوئی کمی نہ آئی۔ اس موقع پر ہم علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتے ہیں کہ جسمِ مبارک میں نقاہت ضرور پیدا ہوئی اور آپ کے لئے ہاتھ پاؤں کو ہلانا یا زبان سے کلمات کا ادا کرنا سخت مشکل ہوگیا۔ مگر

marfat.com

آپ کی روحانی استعداد میں بڑی توانائی کا ظہور ہوا۔ مدارجِ فقر میں بیش از بیش اضافہ ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ کی جناب میں آپ بلند مناصبِ قرب پر فائز ہوتے۔ فالج کے بعد بھی فطانت و ذہانت اپنی اصلی حالت میں رہی۔ آپ کے دورے جاری رہے۔ لیکن اب سابقہ باقاعدگی ممکن نہ تھی۔ نومبر ۱۹۶۳ء کے دورے کا ذکر آپ کی کتاب "امیرِ حزب اللہ" میں موجود ہے۔

انبیائے کرام میں سیرت و شخصیت کی نہایت ہی متوازن جامعیت حضور ختمی مرسلت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات کے سوا اور کہیں نظر نہیں آتی۔ حضور اقدس کی ذات میں انسانیت کے معراج کا صحیح معنوں میں ظہور ہوا۔ اُدھر مقام "قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدنیٰ" پر بالبصر رویت باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہوا۔ اور ادھر پیٹ پر پتھر باندھے کدال ہاتھ میں لئے آنحضورؐ نے خندق کھودی، جنگوں میں قیادت فرمائی، امور مملکت انجام دیئے۔ اور تمام دنیوی معاملات میں دوسرے لوگوں کی طرح حصہ لیا۔ راقم سطور نے ہند اور بیرونِ ہند کے اولیاء اللہ کے حالات کا وسیع مطالعہ کیا ہے۔ ان بابرکت بزرگوں میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کی اس جامعیت کا فیض جس انداز میں حضرت ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب کے وجود مسعود میں نگاہوں کے سامنے آتا ہے وہ نادرات میں سے ہے۔ آپ کی امیرانہ شان و شوکت کو دیکھ کر باور کرنا مشکل تھا۔ کہ آپ کمالِ فقر کے بھی مالک ہیں۔ آپ کو سیاسی امور میں بھرپور حصہ لیتے دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ باقی رہبرانِ طریقت کی طرح اپنے نیازمندوں کی باقاعدہ روحانی تربیت فرما رہے ہیں۔ اور ان کی قلبی کیفیات سے اس طرح ہیں، گویا ہر وقت کا ساتھ ہے۔ حالاتِ عالم پر اس طرح تبصرہ فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا بین الاقوامی حالات کی باریکیوں کو عمدگی سے سمجھتے ہیں۔ فطرتِ زمانہ کو دیکھ کر صحیح پیش گوئی فرماتے تھے۔ اور نہایت ہی مناسب راہِ عمل تجویز فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ نکاتِ دینی کو منکشف فرماتے تو واضح ہو جاتا تھا کہ تفسیر و حدیث، فقہ اور باقی علومِ اسلامی پر آپ کو مکمل عبور حاصل ہے۔ تقریر بھی تو جادو اثر، اور تحریر بھی تو فصیح و بلیغ۔ آپ کے اسلوب میں بلاغت بھی ہے اور

marfat.com

علمیت بھی، جمالیاتی محاسن بھی ہیں اور پرلے درجے کی تاثیر بھی، تاریخ اور اس کے فلسفہ سے آگاہی بھی محیر العقول ہے اور قائدِ تحریک اور مرشد کامل کی حیثیت سے آپ کے اخلاق میں مقناطیسی کشش بھی حیرت انگیز ہے۔ بیک وقت اس قدر غیر معمولی خوبیاں اور ان میں اس قدر توازن اور کامل ہم آہنگی کہ ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر آپ کی شخصیت کو بے حد دلکش بنا دیتی تھی۔ قصہ کوتاہ اولیاء اللہ میں آپ دُرِ یگانہ تھے۔ آپ کی سیرت و کردار میں توانائی کسی حد تک والدہ ماجدہ کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی۔ مگر اس غیر معمولی توانائی کو بروئے کار لانے والا جذبہ بلند سرتاسر اپنے مقدس آباد اجداد کی طرف سے عطا ہوا تھا۔

آپ نے ساری عمر اپنے آپ کو فقیر ابوالبرکات لکھا۔ یعنی ہر ایک پر بار بار واضح کیا کہ اپ کی اصل حیثیت صاحب فقر کی ہے۔ آپ کے فقر نے اپنے جلوے کس طرح دکھائے اس سلسلہ میں چند ایک واقعات کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔ تحریک حزب اللہ کے ابتدائی ایام میں حضور نے ازراہِ نوازش ضلع جھنگ کے صوفی خضر حیات کی دعوت منظور فرمائی۔ چند تیز طبع بے خبر مولوی صاحبان نے مسجد میں نمازِ جمعہ جلد ادا کرادی۔ حضور شامل نہ ہو سکے۔ صوفی صاحب کو صدمہ ہوا۔ اور مولوی صاحبان سے جھگڑ پڑے۔ صدمے کے باعث آنسو تھمتے نہ تھے۔ اسی حال میں حضور کی قیام گاہ میں بعد از نمازِ عشاء دری پر لیٹ گئے۔ آنکھ لگ گئی اور تمام رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلِ قدس میں گزری۔ ۱۹۴۵ء میں راقم سطور مٹھ ٹوانہ ضلع سرگودھا میں تھا۔ سید سیدن شاہ صاحب ساکن پنڈ سوکہ (جہلم) ایک بزرگ پیر بھائی وہاں ڈاکٹر کے پاس آنکھیں بنوانے گئے۔ انھوں نے بتایا کہ حضرت ابوالبرکات ایک روز جلال پور شریف میں اپنے سجادہ پر جلوہ افروز تھے۔ آپ نے فرمایا شاہ صاحب نگر شریف کی شرقی مسجد میں جائیں شاہ صاحب وہاں حاضر ہوئے تو سبحان اللہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مجلس آرا تھے اور حضرت ابوالبرکات بھی وہاں موجود تھے۔ راولپنڈی میں ایک بار دوسرے پیر بھائیوں کے ساتھ یہ ناچیز بھی حضور کی خدمت میں حاضر تھا اور دل میں کہہ رہا تھا اذا تم الفقر فھو اللہ۔ حضور اچانک

marfat.com

حضرت ابوالبرکات سید محمد فضلشاہ رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخی تصویر

خواجہ غریب نواز رح کے عرس مبارک میں آخری بار شمولیت

(بتاریخ ۵، ۶، جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ - یکم، ۲، اکتوبر ۱۹۶۵ء)

marfat.com

بندہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "تیرا اعتقاد درست ہے"۔ ۱۹۶۳ء میں بلو کے مقام پر ایک عبادت گزار خاتون کو آپ نے حضرت شیخ شکر گنجؒ کے پنجابی بیں اس ذکر کی مداومت کرنے کی تلقین کی۔ "اتول توں آتول توں تو ہیں توں" یہ ذکر اطلاقی تھا۔ وحدت الوجود کا مسئلہ بھی آپ کو مرغوبِ خاطر تھا۔ اور کسی باخبر صاحب سے ملاقات کا اتفاق ہوتا تو لطف لے کر تبادلۂ خیالات فرماتے تھے۔ اکابر چشتیہ کا یہی مسلک ہے[1]۔ ایک موقع پر حافظ نذر حسین شاد خاروتی سے استفسار فرمایا، مقصدِ حیات کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا، "توحید تنزیہی"۔ آپ نے فرمایا۔ "آفرین"۔ وصال کے بعد خواب میں حافظ صاحب کو فرمایا "ہمارے پاس جلال پور شریف آئیں۔ انھوں نے رات روضہ شریف میں گزاری اور حضور نے اپنی قبر مبارک پر بیٹھ کر اس طرح زیارت کرائی اور گفتگو فرمائی جس طرح وصال سے پہلے نوازش فرمایا کرتے تھے۔

محض رضائے الٰہی کی خاطر اور امتِ مسلمہ کے ترفع کیلئے آپ نے مدت العمر زمانے کے اٹھائے ہوئے تمام طوفانوں کا اس بے جگری اور پامردی سے مقابلہ کیا کہ ان میں سے کامیابی سے گزرنے کی وجہ سے فنافی اللہ کے بعد آپ بقا باللہ کی منزل پر فائز ہوئے۔ اسی لئے کرامات اور تصرفات کا یہ عالم تھا کہ جس پیر بھائی کو چھیڑ دیں وہ اپنی داستانِ عقیدت و تشکر ختم نہ کرے گا۔ بلکہ راقم سطور تو یہ کہے گا۔ حضور کی ساری زندگی، حضور کا ایک ایک واقعہ ایک ایک بات اور ایک ایک لفظ خوارقِ عادت میں سے ہے[2]۔

سال وصال اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ قمری لحاظ سے تاریخ ۷ شعبان ۱۳۸۶ھ تھی۔ جمعرات کا روز تھا۔ میو ہسپتال لاہور میں دار آخرت کا سفر اختیار فرمایا اور اگلے روز جلال پور شریف میں روضہ مبارک کے اندر اپنے کریمِ جدِ اعلیٰ کے مغرب میں تدفین ہوئی۔ اپنے نمزدہ صاحبزادگان عالی مرتبت نے قبر میں اتارا۔ روضہ شریف میں اب اس طرح محسوس ہوتا

---

[1] نفحات المحبوب میں اعلیٰ حضرتؒ کی مجلس ۶۴ کا بیان پڑھیں۔ آپ کی زبان مبارک پر انا الحق کا لفظ وارد ہوا۔ آپ کا ضبط تو کامل تھا، مگر اللہ بخش درویش تڑپ اٹھا۔ اور پر جست کرتا تھا اور نیچے آجاتا تھا۔

[2] روح لذت توحید سے سرشار تھی، قلب و ذہن انوار و اسرار توحید سے لبریز، اسلئے وجود مبارک مجسم کرامت تھا۔

marfat.com

ہے گویا کلیتہً آپ ہی کا تصرف ہے۔

آپ کے حالات پر مشتمل ضخیم کتاب "امیر حزب اللہ" ہے جو آپ کی زندگی میں چھپ گئی تھی۔ اپنے فرزندِ اکبر سیّد برکات احمد شاہ صاحب کو آپ نے خلافت عطا فرمائی تھی جو آپ کے جانشین بنے۔ حضرت سجادہ نشین صاحب مدظلہ العالی کا وجود گرامی نورٌ علیٰ نورٌ ہے۔

marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، مجاہد الملت والدین

عالی جناب ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز

کا وصال

چوں شاہِ ما بعرش ازین خاکدان برفت
تاب و توان کہ داشت جہاں از میان برفت

آں جانِ پاک بود فروغ حیات ما
چوں رفت، نظمِ زندگیِ این و آن برفت

بگست تار و پودِ وجودِ زمانِ ما
گویند طفل و پیر کہ رُوحِ زماں برفت

مائیم غم نصیب درین وادیِ فراق
خضر خجستہ پی بکجا خوش عنان برفت

ہاں خُرّمی کہ داشت وجودِ سعیدِ اُو
ہاں خُرّمی و خوش وضعی را نشان برفت

ہر برگِ گل زگریہ شدہ منتشر بدہر
جانِ بہار از چمن قدسیاں برفت

سنبل سیاہ پوش بصحنِ چمن شدہ
ہاں عندلیب نالہ بلحن نو د جان برفت

دیدارِ اوست چشمۂ حیوان برائے ما
ہیہات آں قرارِ دل، آرامِ جان برفت

فہمیدہ ای زِ رحلتِ شاہِ جہانِ ما
سرمایۂ نشاط و حیاتِ جہاں برفت

فرمود از شما نشوم لحظہ ای جدا
بے ما ز بزم دہر ندانم چسان برفت

گم کردہ بود ملتِ ما راہِ دینِ حق
آں راہبر کہ کرد عیاں ہر زیان برفت

کردند محو حرفِ جہاد از لغاتِ قوم
خورد و کلان را چو شد وردِ زبان برفت

دیدیم ناقہ را کہ شُد از کاروان جدا
کی شد کہ میر قافلہ بی کاروان برفت

باشد چو شب فروغِ مہی تا بدین جہاں
آں ماہ شب نبود کہ از آسمان برفت

درخدمتش تمیز شب و روز ای غنی
ہرگز نشد، چرا مگر از خادمان برفت

marfat.com

ای نورِ جہان، چو رُوح در اعضای ما بیا — زار و نزار گشتہ ایم اے دل رُبا بیا
آن کاخہا و مرمرین قُبّہ کہ ساختی — گریہ کُند بہ خامشی، گوید بیا بیا
ہستند سوگوار این دیوار و در ببین — للہ لحظہ ای ہمہ را رُخ نما بیا
در مہدِ مخملیں کہ تو را کب ہمی شدی — جلوہ بدہ و دوشِ صبا روح فزا بیا
ہستند منتظر ہمہ صحرا و کوہ کہ میر — با کاروانِ خویش بیاید، شتابیا
ہر قریہ چشم دوختہ بر راہ ہا کہ تُو — بارِ دگر بیائی و شیرین ادا بیا
جملہ فدائیان کہ ثنا گر ہمی شدند — خواہند گردِ تو یکی کردن ثنا بیا
وان نطقِ لاجواب کہ کوثر مثال بود — باشد بہشت گوش دگر، خوش لقا بیا
آن خاندانِ پاک کہ نازان تو شدی — بیتاب در فراقِ تو گشتہ، بیا بیا
نوّاب[1] کامگار و جلالت مآبِ ما — ریزد گہر بیادِ تو، جانِ وفا بیا
دلبندِ تو کہ کردی و رش جانشین خویش — گریاں رسید و دوشِ ہوا، چوں صبا بیا
پژمردہ رُو ببین ہمہ فرزند ہائی خویش — چون دل شکستہ گشتہ ہمہ جان فزا بیا
ہر برگ و نخل سوختہ بادِ سموم دہر — چون ابرِ نوبہار بیا، با سخا بیا
بے تو فضائی دل ہمہ گشتہ سیاہ چو ابر — ای تیرگی زدا بیا، ردحِ صفا بیا

ایمان و جانِ ما، نبی آن شاہِ ما چو بود
ہر دم زنیم ایں صدا و این ندا بیا

نی نی غلط سرا شدم آں شاہ نزدِ ماست — ہر سُو کہ رُخ کنیم آن فرزانہ رُخ نماست
انفاسِ خویش را دمادم در ہوا چنان — ہر دم نفس زنیم اُو تابِ وجودِ ماست

---

[1] حضور کے برادرِ اصغر نواب سید محمد مہر شاہ بالقابہ

[2] سیدنا و مولانا حضرت سید برکات احمد صاحب مدظلہ العالی حضور کی رحلت کے وقت قاہرہ میں تھے۔ فون پر خبر ملتے ہی ہوائی جہاز پر سوار ہو کر جلالپور شریف پہنچ گئے۔

marfat.com

اتمام یافت فقرِ بلی در وجودِ او — سیراب بحرِ حق چو بود درا بیگمان بقاست

در نبضِ کائنات تپد سوزِ سینہ اش — سوزِ دوام یافتہ مستغنی از فناست

"ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق" — واللہ ز غیب آنچہ رسد بس ہمیں صداست

پسر خلیفہ او کہ سلیم و حلیم خوست — معنی بذاتِ او ہمہ بس جلوۂ خداست

روشن جبین او شدہ از نورِ مصطفیٰؐ — وز شیرِ حق کہ یافتہ آن جوہر صفاست

دادہ جنابِ خواجۂ حیدرؒ کلاہِ فقر — وز جدِ پاک حضرتِ ثانیؒ بسی عطاست

عزمِ جوان از پدرِ باکمال یافت — رویش کہ جلوہ بار شدہ شانِ کبریاست

از اینہمہ کمال کہ شد پیکرِ جمال — یوسفؑ برائے دیدنش آید اگر رواست

پسری چنیں گذاشت چو آن شاہِ خوش عطا — از فضل حق رسیدہ بما دولت و غناست

دیدارِ شاہِ ماست اگر آرزوئی تو — در صورتش یکی نگر آن شاہ رُخ نماست

شاہیکہ بود نعمتِ عظمیٰ ز دادِ حق — شاہیکہ نام او مرا ہر درد را دواست

اکرامِ او بسی است یکی را بیان کنم! — از فیضِ او بذاتِ من بے نوا جلاست

تا زندہ ایم دردِ ما نامش بود غنی

نامش چو دردِ ماست ہمہ صحبتِ خداست

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

بیادِ حضرتِ ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب نور اللہ مضجعہ

اِک پھُول جس میں جمع تھا گلزار اب کہاں!

نازاں تھے جس پہ حیدرؓ کرار اب کہاں
فرحاں تھے جس سے خالدِؓ جرار اب کہاں

گونجی تھی جس کی ہند میں للکار اب کہاں
کرتا تھا جاھِدُوْا[1] کا جو تکرار اب کہاں

محمود اور غوری کی شمشیر جس کی نطق
بابر کی طرح طاقتِ گفتار اب کہاں

اک جوش تھا کہ ہند میں تکبیر ہو بلند
ٹیپو سا، عالمگیر کا کردار اب کہاں

وہ فضلشاہِ میرِ جوانانِ حق پرست
وہ شوقِ جانفروشیٔ حضرارؓ اب کہاں

باطل کو سرنگوں کیا ضربِ کلیمؑ سے
ہاں شیرِ حقؓ کی دوستو تلوار اب کہاں

ناقوس اور صلیب سے پیکار جس کی تھی
ملت کے دشمنوں پہ وہ یلغار اب کہاں

اَعْلَوْنَ[1] کی نوید سنی مومنوں نے پھر
غلبے کا جو پیام تھی گفتار اب کہاں

جوشِ جہاد سے ہمیں بیتاب کر دیا
اسلام کی تلوار کی جھنکار اب کہاں

غیروں سے رزم جُو مگر اپنوں سے نرم خُو
ایسے مجاہدوں کا ہے سالار اب کہاں

منصور جس کے ذوقِ شہادت کو دیکھکر
لیتا تھا بوسہ رسن و دار اب کہاں

جو سرفروشِ حق کیلئے جاں بکف رہا
کچھ تو کہو کہ پیکرِ ایثار اب کہاں

دشتِ طلب کے خار چنے چشمِ شوق سے
جانِ نزار پہ سہے آزار اب کہاں

زخموں سے چُور سجدے میں ابنِ علیؓ رہا
کیسا عجب تھا حق کا پرستار اب کہاں

دُنیا میں رسمِ جرأتِ بیباک زندہ کی
بے خوف و بے نیاز و خرد کار اب کہاں

---

[1] وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اپنے خطبات میں یہ آیۂ کریمہ پڑھ کر حضور لگاتار غلبے کی خوشخبری سناتے رہے۔

marfat.com

ایک سیل تھا جو بڑھتا گیا تا لب فلک
تھا علم بھر سکوں سے جو بیزار اب کہاں

شعلے کی طرح شوق جو صحرا نورد تھا
ہوتی تھی جس سے گرمیٔ بازار اب کہاں

روتا تھا جو کہ وقتِ سحر قوم کے لئے
ملت کا دردمند اور غم خوار اب کہاں

قُم کی صدا مسیحِ زماں نے بلند کی
سوئے ہوؤں کو کر دیا بیدار اب کہاں

تھا ذرّہ ذرّہ پاک وطن کا جسے عزیز
اس خانۂ خدا کا ہے معمار[1] اب کہاں

جو قیس بے قرار کسی کی طلب میں تھا
جنس وفا کا ہائے خریدار اب کہاں

سو جان سے فدا تھا جو ربِ ودود پر
وہ جاں نثارِ احمدِ مختارؐ اب کہاں

تھا فقر کا کمال کہ انوارِ ذات تھے
شبلیؒ کا اور جنیدؒ کا دیدار اب کہاں

جامع تھا جو شریعت و فقر و جہاد کا
اک پھول جس میں جمع تھا گلزار اب کہاں

برگشتہ دین سے دیکھ کر الجھا زمانے سے
دین کیلئے جہان میں پیکار اب کہاں

جس پر نگاہ پڑ گئی وہ باخدا ہوا
حسنِ ازل کی دولتِ دیدار اب کہاں

تھا خُلق کا کمال کہ اک ساحری سی تھی
وہ انجذاب و پیشۂ ایثار اب کہاں

گرتے ہوؤں کا جو کہ سہارا بنا یہاں
بے خانماں کا سایۂ دیوار اب کہاں

روتے ہوؤں کو سینے سے جس نے لگا لیا
خستہ دلوں کا مونس و غمخوار اب کہاں

تیرِ قضا کو دستِ تصرف سے روکنا
ادنیٰ سی بات تھی، مگر مختار اب کہاں

اردو زبان شگفتہ و رنگیں بنا گیا
بے مثل و بے نظیر قلمکار اب کہاں

---

[1] تخلیق پاکستان کے سلسلہ میں آپ نے جو شاندار اور ناقابل فراموش کردار انجام دیا۔ اس سے آگاہی کیلئے حضور کی کتاب سیرت "امیر حزب اللہؒ" کا مطالعہ کریں۔

marfat.com

اقبالؔ نے بھی جس سے کیا اکتسابِ فیض
کون و مکاں کا محرمِ اسرار اب کہاں

جوشِ خطاب و زورِ قلم قوم پر فدا
نورِ حیات بھی کیا ، ایثار اب کہاں

ہم ہیں نثار ایسے مجاہد پہ اے غنیؔ
ایسے جہاد کے ہیں پرستار اب کہاں

لہ حضرت ابوالبرکاتؒ شاردا ایکٹ کے سلسلے میں شملے تشریف لے گئے جہاں مرکزی اسمبلی میں اس مسئلے پر بحث ہونی تھی۔ علامہ اقبالؒ وہیں تھے۔ شام کو حضور سے ملاقات کے لئے آتے۔ اور مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی۔ اس بات کے راوی خواجہ محمد امین چشتی ہیں جو حضور کے ساتھ شملے گئے تھے۔

marfat.com

خواجہ فضل شاہ شیئاً للہ!

خواجہ فضل شاہ شیئاً للہ — مُنعَم اللہ شیئاً للہ
نورِ جبینت صبح تجلّی — روئے مبینت قبلۂ معنی
عارضِ انور، شمعِ منوّر — نورِ مجلّا رحمتِ اللہ

خواجہ فضل شاہ شیئاً للہ
مُنعَم اللہ شیئاً للہ

نگہِ کرامت چشمۂ فیضاں — دیں خم ابرو کعبۂ ایماں
فیضِ نگاہت رحمتِ یزداں — چشمِ مست بادۂ عرفاں
نشۂ وحدت حشر بداماں — اللہ اللہ، اللہ اللہ

خواجہ فضل شاہ شیئاً للہ
مُنعَم اللہ شیئاً للہ

عاشقِ یزداں جانِ محبّاں — ساقیٔ وحدت، بادہ ساماں!
پیرِ مُغاں حلقۂ رنداں — فیضِ نگاہت حشر بداماں
شاملِ خلقاں، واصلِ یزداں — قادرِ مطلق، بندۂ اللہ

خواجہ فضل شاہ شیئاً للہ
مُنعَم اللہ شیئاً للہ

مست ضمیرت از مئے وحدت — نگہِ پاکت جامِ محبت
صورتِ اقدس یزداں صورت — ظلِّ رحماں جانِ رحمت
بندہ چہ گوید عظمت و شانت — ہردم خواند عظمت اللہ

خواجہ فضل شاہ شیئاً للہ
مُنعَم اللہ شیئاً للہ!

رشاد فاروقی

حضرتِ ابوالبرکاتؒ کا ایک پسندیدہ شعر

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

marfat.com

ھو الاوّل والآخر والظّاھر الباطن

●

حُسنِ اختتام

●

ایکہ می گوئی چرا جامی بہ جامی می خوری
"این چنیں از ساقی ما گو کہ ارزاں کردہ است"

marfat.com

نعم المولیٰ جل جلالہٗ و نعم النصیر جل جلالہٗ

مجمع البحّار

اس مقدس رسالے میں خواجہ غریب نواز سیّد غلام حیدر شاہؒ اور خواجہ ابو البرکات، سیّد محمد فضل شاہؒ کے حالات طیبہ ہیں، اس لئے قدرتی طور پر اس کا وہ نام ذہن میں آیا جو سرورق پر درج ہے۔ اس کی سند صوفی خدا بخش آدو والی کے تاریخی کشف سے بھی مل گئی۔

لیکن نگاہ کی خوش بختی نے جب حضرت ثانی قبلہ سید محمد مظفر علی شاہؒ اور حضرت سجادہ نشین جناب سیّد برکات احمد شاہ مدظلہ العالی کے موج در موج ظاہری اور باطنی فیوض کا نظارہ کیا تو زبان پر بے ساختہ وارد ہوا کہ سبحان اللہ! جلال پور شریف کی پاک سرزمین میں افق تا افق امواجِ خیر و برکت کا دور ہے اور چونکہ ہمارے تمام قدسی الاصل مصدرِ فیض بزرگوں کا ذکرِ خیر اس رسالۂ نادرہ میں مختلف مقامات پر کئی بار آیا ہے۔ اس کا نام مجمع البحّار بھی بڑا موزوں ہے۔

marfat.com

حضرت سیّد غلام حیدر علی شاہ جلال پوریؒ[1]

قبلہ سید غلام حیدر شاہ ایسی پاکیزہ سیرت اور نورانی صورت والے بزرگ تھے کہ زبان اور قلم کو وہ طہارت نصیب نہیں جو حضور کا ذکر کرنے کے لئے درکار ہے۔ جن مبارک آنکھوں نے حضور کا جمال دیکھا تھا۔ ان میں سے بعض کی زیارت کا اس ناچیز کو شرف حاصل ہوا ہے سچی بات ہے۔ حضور کا ذکر خیر زبان پر لاتے ہی ان کی آنکھوں میں جو عجیب وغریب چمک نمودار ہو جاتی تھی۔ اس کی کیفیت پیش کرنے کا یارا نہیں۔ ایسے خوش نصیب لوگوں میں سے ایک کا حال آپ بھی سن لیں۔ ۱۰ ماہ رمضان المبارک ۱۲۹۴ھ/۱۸ ستمبر ۱۸۷۷ء کا ذکر ہے صوفی نورعالم جہلمی حضور کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوتے ان کے دو بھائی بھی ساتھ تھے۔ چاشت کا وقت تھا۔ ایک درویش نے بتایا۔ حضور مکان شریف کے اندر قبلہ رو بیٹھے وظائف پڑھ رہے ہیں۔ نور عالم صاحب سہمے ہوئے تھے۔ "نفحات المحبوب" میں لکھتے ہیں:

"ناگاہ از روزنہ آن مکان آفتابی درخشید برمن۔ از دروازۂ کلاں داخل مکان شدیم و زمین فرش بوسیدیم دیدیم آنچہ دیدیم ؎

جمالی دیدم از گفتن بروں بود   مپرس از من تو کیفیت کہ چوں بود

بلوریں بدنش اندر لبس کافور   چو شجر طور بُد نُورٌ علیٰ نورٌ

صوفی صاحب کہتے ہیں ایک نورانی وجود سفید لباس پہنے نُورٌ علیٰ نورٌ دکھائی دیتے تھے۔ صاحب قلم ہونے اور حضور کے ملفوظات کے مرتب ہونے کے باوجود اس کیفیت کو

---

[1] حسن اختتام والے دونوں مقالے تذکرۃ الاولیاء جدید مرتبہ حاجی نفس احمد صاحب میں چھپ چکے ہیں۔ اور پیر بھائیوں کے استفادے کیلئے یہاں، شامل کئے جاتے ہیں۔

marfat.com

بیان نہیں کر سکے۔ جو زیارت سے فیض یاب ہونے پر ان پر طاری ہوئی۔

حضور کی ولادت بروز جمعہ ۳ر صفر المظفر ۱۲۵۴ھ / ۲۶ر اپریل ۱۸۳۸ء کو ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید جمعہ شاہ تھا جو حسینی سید اور صاحبِ قانع باخدا درویش تھے۔ آپ کے جدِ امجد سید سخی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے یکتائے روزگار بزرگ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سجادہ بیگم تھیں جو صحیح معنوں میں سجادہ نشین رہ کر اوراد و اذکار میں مصروف رہتی تھیں اور ہر وقت باوضو رہتی تھیں۔ والدہ صاحبہ نے آپ کی پرورش اور تربیت نہایت ہی پاکیزہ روایات کو قائم رکھ کر کی۔ چنانچہ آپ نے صوم و صلوٰۃ کی پابندی پانچ چھ سال کی عمر میں شروع کر دی۔

کلام اللہ شریف کی تکمیل اپنے حقیقی چچا سید امام شاہ صاحب سے کی۔ کتب فارسی اپنے گھر جلال پور شریف (ضلع جہلم) میں میاں عبداللہ صاحب چکردی سے پڑھ کر آپ نے کتبِ فقہ قریب ہی پنن دال میں قاضی محمد کامل سے پڑھیں اور وہاں کنز الدقائق کے بعض اسباق آپ نے مفتی غلام محی الدین صاحب سے بھی پڑھے جو باطنی کمالات سے بھی بہرہ ور تھے۔ مفتی صاحب نے بڑی شفقت کے ساتھ ظاہری تعلیم دیتے ہوئے آپ کے باطن کو بھی مرکزِ توجہ بنایا۔ آپ کی فطرت روحانیت کا گنج مخفی اپنے اندر رکھتی تھی۔ مفتی صاحب کی توجہات نے اس گنجینۂ معنی سے سروکار رکھنے کی لگن آپ کے دل میں پیدا کر دی۔

آپ کی عمر سترہ سال تھی کہ والد ماجد وفات پا گئے۔ وفات سے پہلے اپنے فرزند دلبند کو وصیت کی کہ سائل کو محروم نہ رکھنا، صلہ رحمی شعار بنانا۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کرنا اور میراں شاکر شاہ صاحبؒ کے مزارِ مقدس پر باقاعدگی سے حاضر ہونا۔ میراں صاحب مشہور و معروف بزرگ شاہ محمد غوث لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفِ اکبر تھے۔ ان کا مزار جلال پور شریف سے دو میل مغرب کو پہاڑیوں پر نظر آتا ہے۔ حضرت قبلہ سید غلام حیدر علی شاہ نے اس وصیت پر لفظ بلفظ عمل کیا۔ درویشی کے باوجود اہلِ حاجت کی کفالت اور مسافروں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ہر شام میراں شاکر شاہؒ کے مزار پر حاضر ہوتے اور عشاء تک مراقبہ میں رہتے۔ بہت جلد

marfat.com

حضرت میراں صاحب نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ سید غلام شاہ صاحب ہرن پوری سے ملاقات کریں۔ چنانچہ والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر آپ ہرن پور تشریف لے گئے۔ جو جلال پور شریف سے دس کوس کے فاصلے پر مغرب میں واقع ہے۔

سید غلام شاہ صاحب بڑے صاحبِ تصرف بزرگ تھے۔ استغناء اور ماسوا اللہ سے انقطاع کا عجیب عالم تھا۔ حضور نے بیعت کی خواہش کا اظہار کیا مگر شاہ صاحب آپ کو خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گئے جو قطبِ دوران اور غوثِ زمانہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے گوہرِ مراد حاصل کر کے اپنے وطن مالوف سیال شریف ضلع سرگودھا میں دولتِ عرفان بڑی فیاضی سے لٹا رہے تھے۔ یہ مارچ ۱۸۵۵ء کی بات ہے۔ حضرت سید غلام حیدر علی شاہ کی عمر مبارک اس وقت ابھی سترہ سال ہی تھی چنانچہ سید غلام شاہ صاحب نے حضرت شمس العارفین سیالوی سے ان کو بیعت کرنے کی درخواست کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ یہ "سید زادہ" جلال پور کا رہنے والا ہے اور آپ کی بیعت کا دلدادہ ہے۔

سفیدی مائل گندم گوں رنگ، یہ سید زادے متناسب الاعضاء اور دراز قامت تھے۔ گردن بلند، پیشانی کشادہ، گھنے ہلال ابرو، آنکھیں بادام کی ہم شکل لیکن سیاہ اور چمکدار، چہرے سے یمن و سعادت کے آثار ہویدا۔ خواجہ شمس الدین سیالویؒ ایک ہی نگاہ میں سالکِ عالیہ کے اس خوبصورت فرزند کی غیر معمولی باطنی صلاحیتوں سے آگاہ ہو چکے تھے۔ حضور نے آپ کو شفقت سے بیعت فرمایا۔ اور دل کھول کر ان کے سینے کو یقین و عرفان کی دولت سے معمور کرنا شروع کر دیا۔ قبلہ جلال پوری کو محبتِ شیخ نے اس طرح بیتاب کیا کہ بالکل تھوڑے وقفوں کے بعد بار بار سیال شریف حاضر ہوتے تھے۔ کوئی ایسی توجہ تھی کہ آپ کا وجودِ اقدس سرتاپا روحانیت بن رہا تھا۔ سلوک کی منزلیں طے کرنے میں آپ کا مجاہدہ بے نظیر تھا کہ جب آپ چھٹی بار شیخ کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوئے تو آپ کو خرقۂ خلافت اور اجازتِ بیعت کا شرف عطا ہوا ..... اس قدر جلد اور کم عمری میں !!! اس موقع پر خواجہ سیالؒ نے حضور کو خلوت میں خاص

marfat.com

توجہات سے نوازا۔ اس کے بعد محویت اور استغراق کی خاص کیفیت آپ پر طاری ہوئی جو کافی عرصہ تک جاری رہی اور جب حالتِ صحو شروع ہوئی اور طبیعت معمول پر آئی تو آپ ان درجات علیا پر فائز ہو چکے تھے۔ جو امتِ مسلمہ کے صرف منتخب نفوس کو حاصل ہوئے ہیں۔ آپ کی اس وقت کی حالت کے متعلق حضور کے غلام جدم سید رسولؐ نے فرمایا۔

"حضرت پیر حیدر شاہ فقر و عرفان کا سمندر اس طرح پی گئے کہ ایک قطرہ تک باہر نہ گرنے دیا۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور کو مقامِ عبدیت سے حصہ وافر ملا تھا۔ عطائے خلافت سے پہلے مشائخ چشت کی سنت کے مطابق خواجہ سیالویؒ نے مرقع شریف اور کشکولِ کلیمی کا خود درس دیا تھا۔ یہ گویا فقر و تصوف کی ظاہری اور باطنی تعلیم کی تکمیل تھی۔

حصولِ خلافت کے بعد کم و بیش پچاس سال کے طویل عرصہ تک آپ کوہستان نمک کے دامن میں جلال پور شریف کی پہاڑی پر جاگزین ہو کر رشد و ہدایت ہر طرف پھیلاتے رہے۔ ہر قسم کے لوگ حتیٰ کہ مخالف عقیدے اور مذہب والے بھی حاضرِ خدمت ہو کر فیض یاب ہوتے تھے نیاز مندوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ استقامت کی یہ شان تھی کہ عمر بھر سیال شریف کے بغیر اور کہیں کا سفر اختیار نہ کیا۔ اگر دو ایک بار کہیں گئے بھی تو صرف پیر خانہ کے ارشاد کی تعمیل میں۔

سیال شریف کا ادب و احترام دل میں اس قدر تھا کہ وہاں ننگے پاؤں رہتے تھے۔ ایک بار ایک سنگریزہ پاؤں میں چبھ گیا جسے زندگی بھر نہ نکلوایا، تترال ضلع جہلم کے بابا اللہ دتہ کہا کرتے تھے۔ ہم لوگ وہ پاؤں بے خبری میں دبانے لگتے تو حضور درد کی وجہ سے کھینچ لیا کرتے تھے۔ خانوادۂ سیال شریف کے ہر فرد کے ادب و احترام میں آپ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا کرتے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ کسی ہندو نے بھی اپنی گوت سیال بتائی تو آپ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔

marfat.com

حضور کی ذات میں جمالی صفات کا غلبہ تھا غرباء اور مساکین کی طرف توجہ زیادہ تھی۔ ان سے خصوصی شفقت کا اظہار فرماتے، جود وسخا کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ قحط سالی کی وجہ سے ایک بار لنگر شریف میں کشمیری لوگوں کی بڑی تعداد جمع ہوگئی۔ صبح شام کھانا وہاں سے کھاتے اور دن کو محنت مزدوری کرتے۔ لنگر شریف کے منتظم نے عرض کی۔ قبلہ! ..... انہیں ایک وقت تو روٹی دیا کریں اور دوسرے وقت کے لئے انبار سے مکئی کے کافی دانے دے دیئے جائیں بھنوالیا کریں گے۔ حضور فرمانے لگے بڑی اچھی تجویز ہے، بیچارے دن بھر محنت کرتے ہیں پچھلے پہر کیلئے انہیں مکئی کے دانے دے دیا کریں۔ کھانا دونوں وقت بدستور لنگر شریف سے کھائیں گے۔ عفو و درگزر کا قصہ سنئے۔ ایک خادم نے لنگر شریف کا غلہ چوری بیچنا شروع کر دیا۔ پہاڑی سے نیچے پانی لانے جاتا تو گندم سے گھڑا بھر کر سر پر اوندھا رکھ لیا کرتا تھا۔ دکاندار نے راز فاش کر دیا۔ حضور نے خادم سے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو۔ اس نے عرض کی، مقروض ہوں۔ حضور نے اس کا قرض اپنی گرہ سے ادا کر دیا۔ اسی طرح مہمان نوازی، ہمدردی اور دردمندی، تحمل اور بردباری، حلم و حوصلہ، توکل و قناعت اور تسلیم و رضا کی بے شمار مثالیں ہیں ..... نصیحت کرتے وقت بالعموم اشاروں سے کام لیتے اور صیغہ غائب استعمال فرماتے۔ لہجے میں پروقار نرمی اور ملائمت تھی۔ گفتگو کے دوران نکات کی توضیح و تائید کے لئے فارسی، عربی اور اردو کے برمحل اشعار پڑھ دیا کرتے جو بلا تکلف زبان پر وارد ہو جایا کرتے تھے۔ انہی صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ کریمانہ کی کشش تھی کہ زائر دور دراز سے انبوہ در انبوہ حاضر ہوتے تھے۔ اور مجلس میں مؤدب اور خاموش ہو کر بیٹھا کرتے تھے۔ یہ رعبِ فقر تھا۔

انیسویں صدی کا اختتام اور بیسویں صدی عیسوی کا آغاز کوئی دور کی بات نہیں۔ کافی تعداد میں ایسے لوگ آج بھی موجود ہیں۔ جنہوں نے وہ ایام دیکھے تھے۔ سبحان اللہ! اسلام از سرِ نو زندہ ہو چکا تھا۔ محبت الٰہی، عشق الٰہی، عشقِ رسول، ارکان اسلام کی ذوق و شوق سے پابندی، ذکر و فکر، اخلاق محمدی عام شیوہ تھا۔ مقدس چہرے عام نظر آتے تھے۔ پیر کامل کی شخصیت کا عکس

marfat.com

ان کے ظاہر و باطن پر پڑتا تھا۔ کلاہ چارترکی سر پر، تسبیح ہاتھ میں لئے، لبوں سے زمزمۂ حمد بلند کرتے ہزاروں مسلمان ہر وقت جلال پور شریف آتے جاتے تھے۔ اس طرح معلوم ہوتا تھا قرونِ اُولیٰ پھر عود کر آئے ہیں۔ انوارِ الٰہی کا جلوہ دیکھنے کی تمنا تھی جو ہر ایک کو جلال پور شریف کی طُور صفت پہاڑی پر پہنچا دیتی تھی اور جو لوٹتا تھا یہی محسوس کرتا مشاہدہ ذات کر کے آرہا ہوں۔ صرف یہی نہیں۔ راقم سطور نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس مائدۂ نعمت کے زلّہ ربا اپنے اپنے وطن میں واپس جا کر رشد و ہدایت کا ایک نیا باب وا کر دیتے تھے۔ کیا کہنا انوارِ الٰہی کی تابانی ہر طرف پہنچ چکی تھی۔

عہد طفلی سے لے کر آخری لمحے تک صرف ذات باری عزاسمہٗ کو اپنا مطلوب و مقصود بنانے کے وجہ سے حضرت خواجہ سید غلام حیدر علی شاہ کا وجود اقدس مجسم کرامت بن چکا تھا۔ خرقِ عادت واقعات اس طرح ظاہر ہوئے تھے۔ جس طرح آفتاب کرنیں نکلتی ہیں لفاظی نہیں یہ حقیقت ہے کہ اندھیرے میں حضور کے وجود سے اجالا ہو جاتا تھا ایک بار آپ سیال شریف تشریف لے گئے شام پڑ رہی تھی۔ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالویؒ نے درویشوں کو لیمپ دے کر بھیجا کہ شاہ جی کا استقبال کریں۔ اتفاقاً آندھی چلی اور لیمپ بجھ گئے۔ درویشوں نے بیان کیا۔ ہم قبلہ شاہ جی کے چہرے کی روشنی میں پگڈنڈیوں پر چلتے آتے۔ سلوک و معرفت میں آپ نے وہ مقام حاصل کیا تھا کہ متقدم صوفیہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ حضرت خواجہ شمس العارفین فرمایا کرتے تھے دودھ بلویا تھا مکھن حیدر شاہؒ لے گئے چھاچھ باقی لوگ پیتے رہیں۔

حضور کا وصال ۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء بروز دوشنبہ ہوا۔ ولادت سکھوں کے راج میں ہوئی تھی۔ اب انگریز کی عملداری تھی۔ علامہ اقبال نے یہ قطعہ تاریخ کہا ؎

ہر کہ بود خاکِ مزار پیر حیدر شاہؒ رفت — تربتِ او را ایمن جلوہ ہائے طور گفت

ہاتف از گردوں رسید و خاکِ او را بوسہ داد — گفتمش سالِ وفاتِ او بگو "مغفور" گفت

۱۳۲۶ھ

حضور کو اپنے تعمیر کرائے ہوئے بنگلے میں دفن کیا گیا۔ جہاں بعد میں آپ کے محبوب پوتے حضرت ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ صاحب نے نہایت ہی خوبصورت روضہ تعمیر کرایا

marfat.com

جو اپنی آب و تاب اور دلکشی کے باعث دور دور سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ حضور کا عرس مبارک ہر سال ۵-۶ جمادی الثانی کو منایا جاتا ہے اور جلال پور شریف اب بھی بدستور سرچشمۂ خیر و برکت بنا ہوا ہے۔

حضور کے ملفوظات فارسی زبان میں نور عالم صاحب جہلمی نے "نفحات المحبوب" کے نام سے لکھے ہیں، ان کے مطالعہ سے انسان حضور کی مجالس فیض آثار میں پہنچ جاتا ہے اور اسرار و رموز تصوف بیان ہوتے سنتا ہے۔ اردو زبان میں آپ کے سوانح زندگی "ذکر حبیب" کے عنوان سے ملک محمد الدین صاحب نے قلم بند کئے جو دیدہ زیب کتابت اور طباعت کے ساتھ منڈی بہاؤ الدین سے شائع ہوتے تھے۔ اس کی ابتدا میں حضرت ابو البرکات سید محمد فضل شاہ کا لکھا ہوا روح پرور مبسوط دیباچہ ہے۔ آج کل کے زمانے میں لکھی ہوئی تصوف کے متعلق ایسی عالمانہ اور اثر انگیز تحریر شاید ہی آپ کو ملے گی۔ اس کے بعد مختلف ابواب میں حضور کی مبارک زندگی کے حالات، کرامات، ملفوظات اور حضور کے متعلق بلند پایہ شعراء کی منظومات ہیں، درد فراق کے باعث پیر بھائیوں نے جو نوحے پنجابی زبان میں سی حرفی وغیرہ کی صورت میں کہے وہ علیحدہ طبع ہوئے تھے۔ حضور کے فرزند سید محمد مظفر علی شاہ آپ کے جانشین ہوئے جن پر عجیب حالت جذب طاری رہتی تھی۔ انھوں نے ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور پھر حضرت ابو البرکات مولانا سید محمد فضل شاہ صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ حضور خواجہ غریب نواز کے اور بھی نامی خلفاء تھے جن کا تذکرہ "ذکر حبیب" میں موجود ہے

آپ طالب صادق کیلئے یک در گیر و محکم گیر پر زور دیا کرتے تھے۔ استقامت کے اس زریں اصول پر آپ ہمیشہ کاربند رہے۔ اس کے ساتھ غنائے قلب بھی آپ کی ذات میں بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ مداومت وظائف سے مشکلاتِ زندگی از خود دور ہو جاتی ہیں۔ نمازِ جمعہ کی حضور بڑی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے یہ غریبوں کا حج ہے، مقاماتِ فقر میں تسخیر خلق کا آپ کے نزدیک کوئی درجہ نہ تھا۔ اسی طرح آپ فرماتے: راہِ سلوک

marfat.com

پر چلتے ہوئے اگر کشف حاصل ہو تو اسے کفش بنا کر نفس کے سر پر دے مارو۔ کیونکہ اس کی طرف توجہ انسان کو اس کی حقیقی منزل کی طرف نہیں بڑھنے دیتی۔ تمام اکابر صوفیہ کی طرح آپ فرماتے تھے۔ انسان کی حقیقی منزل مشاہدۂ ذات ہے :۔

لا مقصود اِلا اللہ

اللہ بس باقی ہوس، پوری طرح شریعت کی حدود میں رہ کر یہ حقیقتِ کبریٰ کا براہ راست مشاہدہ ہوتا ہے۔ جہاں ظاہری حواس اور فنا پذیر چیزوں کا دخل نہیں۔ لیکن یہ سعادت نہایت ہی برگزیدہ اصحاب کو نصیب ہوتی ہے اور لاریب خواجہ غریب نواز حضرت پیر حیدر علی شاہؒ ایسے ہی فرد یگانہ تھے۔

---

marfat.com

حضرت ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مصلحتِ دیدِ من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و سر طرۂ یارے گیرند

۴ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ (مطابق نومبر ۱۸۹۴ء) کو جلال پور شریف ضلع جہلم میں خواجہ غریب نواز حضرت پیر حیدر علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کے پوتے اور حضرت خواجہ محمد مظفر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند جناب سید فضل شاہ صاحب پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب اربابِ چشت کی وجہ سے خطۂ پنجاب میں گلشنِ فقر پر بہار آئی ہوئی تھی۔ مہار شریف، تونسہ شریف چاچڑاں، سیال شریف، جلال پور شریف اور گولڑہ شریف میں اکابر چشتیا اپنے پاک نفوس سے لوگوں کے دلوں کو عشق الٰہی سے معمور کر رہے تھے۔ اور اسلامی معاشرہ میں اللہ ہو، اللہ ہو، کا نعرہ بلند ہو رہا تھا۔ حضرت سید فضل شاہ صاحبؒ نے اس ماحول میں تربیت پائی۔ علوم دینی کی تکمیل مولینا محمد عبدالرحیمؒ ساکن کڑی شریف اور دیگر جید علماء نے کرائی۔ منازلِ فقر آپکے جدِ بزرگوار حضرت پیر حیدر علی شاہؒ نے بکمال شفقت طے کرائیں۔ اور جب آپ کے والدِ بزرگوار خواجہ محمد مظفر علی شاہؒ کا ۱۳۳۵ھ (مطابق ۱۹۱۷ء) میں وصال ہوا۔ تو آپؒ سجادہ نشین ہوئے۔ چار سال پہلے (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء) آپ بلادِ اسلامیہ کی سیر اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے۔ اس سفرِ حج کی روداد[1] اپنی کم عمری (۱۹ سال) کے باوجود آپ نے جس دردمندی، جذبہ ملّی اور بالغ نظری سے لکھی۔ اس کا مطالعہ آج بھی ایمان میں تازگی پیدا کر دیتا ہے اور ایسی بصیرت عطا کرتا ہے۔ جو زندگی بھر کیلئے امتِ مسلمہ کی خدمت کے لئے بیتاب کر دے۔

---

[1] ملاحظہ فرمائیے، کتاب "امیر حزب اللہ" صفحات ۴۳ تا ۱۹۴۔ یہ کتاب آپؒ کی سیرت پر مشتمل ہے اور ۵۶۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، کتابت، طباعت، جلد، سرورق دیدہ زیب آپ کے عہد کی جامع تاریخ، بصائر و حکم سے پُر ہے۔ ادارہ حزب اللہ جلال پور شریف ضلع جہلم سے ملتی ہے۔

marfat.com

سجادہ نشین کی حیثیت سے بھی آپؒ کے فرائض بڑے گراں تھے۔ لنگر شریف کا انصرام و انتظام اور اپنے کئی لاکھ متوسلین کی روحانی تربیت کا کام مسلسل توجہ اور متواتر مصروفیت کا متقاضی تھا۔ ان فرائض کو آپ نے بکمال مستعدی اور بوجوہ احسن انجام دیا۔ دربار عالیہ کی رونق میں اس قدر اضافہ ہوا۔ کہ بایدوشاید لیکن اس کے ساتھ ضروریاتِ زمانہ کے مطابق اعلائے کلمۃ اللہ اور مسلمانوں کو تمکن فی الارض دلانے کی خاطر آپؒ نے جو مجاہدانہ گرم جوشی دکھائی وہ بھی ایک بڑی روح پرور اور جرأت افروز داستان ہے۔

انگریز ۱۸۵۷ء سے مکمل طور پر برصغیر پر قابض ہو چکے تھے۔ انھوں نے ہندوؤں کو ہر طرح کی مراعات دی تھیں۔ اور مسلمانوں کو کچلنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ مسلمان اکابر جذبۂ ملی کے تحت امتِ مسلمہ کو پیغام بیداری دے رہے تھے حضرت ابو البرکات سید محمد فضل شاہ صاحبؒ نے بھی اپنی جگہ پر اس مبارک کام کو شروع کر دیا۔ گہرے غور و فکر کے بعد ایک عظیم تحریک حزب اللہ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں شروع کی اور امیر حزب اللہ کی حیثیت سے اسے کامیاب بنانے کیلئے مصروفِ کار ہو گئے۔ آپؒ نے اس وقت استقلالِ قومی کی آواز بلند کی اور مسلمانوں کو "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ" کی نوید سنائی جب مسلم لیگ انہی سلطنتِ برطانیہ کے زیر سایہ چند سیاسی حقوق حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھی۔ تحریر و تقریر کے ذریعے آپ نے مسلمانوں کو ایک باوقار منصب العین کی خاطر جدوجہد کرنے کی ترغیب دی۔ آپؒ کے رسائل، مقالات اور خطبات محفوظ ہیں۔ آپؒ اردو زبان کے اعلیٰ درجے کے ادیب اور فصیح البیان مقرر تھے۔ آپؒ نے سال ہا سال تک مسلسل دورے کئے۔ اور ایک ایک گاؤں میں حزب اللہ کی شاخیں قائم کیں۔ اراکین کی تعداد بڑھائی اور رضا کار بھرتی کئے۔ سفر کی صعوبتیں آپؒ کھلے دل اور خندہ پیشانی سے برداشت کیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی صحت، توانائی اور تمام تر قابلیت اس مقصدِ رفیع کے حاصل کرنے کے لئے نثار کر دی۔ آپؒ جذبۂ للّٰہیت سے سرشار تھے۔ بے غرضی اور بے نفسی کا عجیب عالم تھا۔ اپنی تقاریر میں آپؒ بار بار فرمایا کرتے ؎

اب ہو رہے گا عشق دہوں میں بھی امتیاز
آیا ہے جب مزاج ترا امتحان پر

marfat.com

عشق الٰہی نے یہ سب کچھ کرایا۔ استحکامِ دینی کی خاطر آپؒ نے تمام تکلیفیں اٹھائیں۔ اور ملتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لئے جان عزیز جوکھوں میں ڈالی۔ تا آنکہ پاکستان بن گیا۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ ہماری ملت کو ایک مضبوط حصار مل گیا۔

اگرچہ حصولِ پاکستان کیلئے آپ نے غیر معمولی جوشِ عمل سے کام لیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ہمیشہ پرزور تائید کی۔ لیکن چونکہ یہ سارا کاروبارِ عشق تھا، ہوس سے قطعاً مبرا، آپؒ دنیوی مقاصد سے بالکل الگ تھلگ رہے۔

۱۹۵۸ء میں آپ پر فالج کا شدید حملہ ہُوا۔ علاج کیلئے آپ کو لاہور پہنچایا گیا۔ مرض میں خاصہ افاقہ ہوگیا۔ مگر سابقہ صحت بحال نہ ہوئی۔ زبان میں لکنت پیدا ہوگئی۔ نشست و برخاست بمشکل ہوتی تھی۔ البتہ ان ایام میں روحانی کمالات میں ایسا اضافہ ہوا کہ آپ آیتہ من آیات اللہ نظر آتے تھے۔ جس طرح بھی بن پڑتا۔ آپؒ نماز میں قیام، رکوع اور قعود وغیرہ کی شرائط پوری کرتے تھے۔ احیائے شریعت آپؒ کا منصب تھا۔ آپؒ کا وصال ۱۷ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کو ہوا اور آپ کو جلال پور شریف میں اپنے جدّ بزرگوار کے دائیں پہلو میں دفن کیا گیا۔ یہ عظیم الشان حسین و جمیل مقبرہ آپ ہی نے تعمیر کرایا تھا۔ کیا مبارک وجود تھا۔

آں جانِ پاک بود فروغ حیات ما
چوں رفت نظمِ زندگیٔ این و آں برفت

وصال کے بعد آپؒ کی روح پرفتوح کی طرف سے بعض ایسے خرق عادات واقعات کا ظہور ہوا۔ کہ عقل دنگ ہے۔

آپ کو فی الواقعہ حسن یوسف عطا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ آپؒ بے حد خوش پوش تھے۔ اس لحاظ سے امیر سے امیر آدمی آپ کے سامنے ماند پڑ جاتا تھا۔ نفیس خوبصورت اچکن، طرہ دار سفید دستار، سفید شلوار، نفیس عینک، مقطع ریش، نورانی چہرہ اور پاؤں میں چکوال کا زری جوتا اور پھر آپؒ ایسے خوش اخلاق، کریم النفس اور غریب نواز تھے کہ لوگ فرط عقیدت سے

marfat.com

آپؒ پر گرے پڑتے تھے۔ ہر شخص یہی محسوس کرتا کہ جتنے مہربان مجھ پر ہیں اور کسی پر نہیں۔ مستجاب الدعوات ایسے کہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھتے اور اہل حاجت کی مشکلات دور ہو جاتیں۔ صاحبِ تاثیر ایسے کہ جو بھی قریب آتا اس کا سینہ عشق الٰہی سے گرم ہو جاتا۔ آپ کی نگاہ کی معجز نمائی تھی کہ نیاز مندوں نے مقاماتِ تصوف آسانی سے طے کئے۔ انہیں اوراد و وظائف میں شب و روز مصروف رکھنے کی بجائے اپنے مرشدِ کامل کی خدمت میں بار بار حاضری کی آپؒ ہمیشہ تاکید فرمایا کرتے تھے۔ مسلسل جہاد فی سبیل اللہ اور جہاد بالنفس کی وجہ سے آپؒ کا ذات باری تعالیٰ سے عجیب و غریب رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ اصطلاح تصوف میں فنا فی اللہ کے بعد بقا باللہ کی نوبت آگئی تھی۔ اور اذا تم الفقر فھو اللہ کی حقیقت آپؒ کی ذات سے عیاں تھی۔ زندگی بھر آپؒ کا عمل اس شعر پر رہا جو زیب عنوان ہے۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، صرف رضائے الٰہی کے لئے تھا۔ عظیم ارادے دل میں صرف محبوبِ حقیقی کی رضامندی کیلئے پیدا کئے اور ان کی تکمیل کے لئے عمر بھر دوڑ دھوپ صرف اسی کی خوشنودی کی خاطر کی۔ ایسے جانباز مردانِ خدا روز روز کہاں پیدا ہوتے ہیں۔

جو قیس بے قرار کسی کی طلب میں تھا جنسِ وفا کا ہائے خریدار اب کہاں
جو سرفروش حق کے لئے جاں بکف رہا کچھ تو کہو کہ پیکرِ ایثار اب کہاں
سو جان سے فدا تھا جو ربِ ودود پر وہ جان نثارِ احمد مختار اب کہاں
تھا فقر کا کمال کہ انوارِ ذات تھے شبلیؒ کا اور جنیدؒ کا دیدار اب کہاں!

آپ نے بدعتوں اور فضول رسموں کا خاتمہ کیا۔ معاشرے میں صالح اعمال کو رواج دیا۔ مسلمانوں کو پیغام دیا کہ زندہ رہو تو شان کے ساتھ اور مرو تو ایمان کے ساتھ۔ چنانچہ آپؒ کے نیاز مندوں کو دینی اور دنیوی دونوں قسم کی برکات حاصل ہوئیں۔ نادار دولت مند ہو گئے۔ جو فاسق و فاجر تھے۔ انھوں نے اطاعتِ حق اپنا شعار بنا لیا۔ جو نماز کے تارک تھے پابند صوم و صلوٰۃ اور تہجد خواں بن گئے۔ معارف قرآنی اور اسرارِ فقر سے ہر ایک کو بقدر ظرف حصہ ملا۔

marfat.com

جن علاقوں میں نماز باجماعت بمشکل ادا کی جاتی تھی۔ وہاں باقاعدگی سے جمعہ پڑھایا جانے لگا۔ قرآن اسلام اور باقی اسلام (روحی فداہ) کی محبت دلوں میں گھر کر گئی۔ آپؒ کے مرید فنا فی الشیخ کے بعد فنا فی الرسول کی منزل پر معارسائی حاصل کر لیتے تھے۔ آپؒ نے ہمیشہ جاھدوا کی تشویق دلائی۔ لازماً دلوں میں شہادت اور جانفروشی کا جذبہ پیدا ہوا۔ معاشرے میں ایک عجیب ولولہ انگیز اور ایمان افروز حرکت نمودار ہوئی۔ آپؒ کی تعلیمات کے اثرات ہمہ گیر تھے۔ بیک وقت کئی قسم کے مبارک نتائج برآمد ہوئے۔ آپ کا تجدیدی کارنامہ ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔ مگر — آہ!

ع اک پھول جس میں جمع تھا گلزار اب کہاں؟

خداوندِ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول آپؒ کی ذات پر ابدالآباد تک جاری رہے۔ آمین، ثم آمین!

آپ کے فرزند اکبر صاحبزادہ سید برکات احمد صاحب آپؒ کے جانشین ہیں۔ سلیم الطبع اور بلند نگاہ۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے پاس کرنے کے بعد علوم عربی کی تکمیل مولوی نجم الدین مرحوم پروفیسر عربی اورنٹیل کالج لاہور سے کی۔ ریٹائر ہونے کے بعد مولوی صاحب اس نیک مقصد کیلئے جلال پور شریف قیام پذیر ہو گئے تھے۔ مخدومی صاحبزادہ صاحب نے دنیا کے بیشتر ممالک کو دیکھا ہے۔ اس لئے آپ وسیع معلومات رکھتے ہیں اور امیر حزب اللہ ثانی کی حیثیت سے اپنے والد ماجد کی تحریک کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ روحانی اعتبار سے بھی ماشاء اللہ آپ خاندانِ چشتیا کے نورِ چشم ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کے فیوض و برکات گوشے گوشے میں پہنچائے، آمین۔

---

marfat.com

حضرت ابوالبرکاتؒ کا ایک اور مرغوب شعر

نزاکت ہاست در آغوشِ مینا خانۂ حیرت
شرہ برہم مزن تا نشکنی رنگِ تماشا را

marfat.com

قطعۂ تاریخِ وصالِ حضرتِ ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ

حسرتا آں فاضل و روشن ضمیر — عارف و کاملِ فقیہہِ بے نظیر
جانشینِ پیرِ حیدر شاہؒ ولی — منبعِ عرفان ، اولادِ علیؓ
مخزنِ برکات ، قطب الاولیاء — مرکزِ حسنات ، شیخ الاصفیا
سیّدِ والانسب ، صاحب جمال — بے نظیر و بے عدیل و بیمثال
عالم و واعظ خطیبِ خوش بیان — ہادیٔ راہِ ہدایت بے گماں
آں امیرِ قافلہ دانائے راز — مظہرِ انوارِ ربِ بے نیاز
ماہتابِ معرفت ، شمعِ سیال — نورِ حیدر محرمِ بزمِ جلال
آں امام الاتقیا ، نورِ مبیں — رفت از ما سوئے فردوسِ بریں

سالِ وصلش گفت ایں برقیِؔ حزیں
آہ بدفیاض سجادہ نشیں

۱۳۸۶ھ

(فقیر ابوالکمال برقیؔ نوشاہی قادری)

marfat.com

حضورؒ کے

وصال کے دیگر مادہ ہائے تاریخ

۱ ـــــ وصالِ شمس العارفین ابوالبرکات امیر حزب اللہ ـــــ ۱۹۶۶ء

۲ ـــــ وصالِ محبوبِ حق سید فضل شاہ صاحب جلال پوری ـــــ ۱۹۶۶ء

۳ ـــــ انتقالِ چشتیِ کامل ـــــ ۱۳۸۶ھ

۴ ـــــ بندۂ حق فضل شاہ ـــــ ۱۳۸۶ھ

۵ ـــــ رَحِمہُ اللہ محمد فضلشاہ ـــــ ۱۳۸۶ھ

۶ ـــــ مہتابِ عرفان، ممتازِ اولیاء ـــــ ۱۳۸۶ھ

۷ ـــــ رُوحِ بے نظیر ـــــ ۱۳۸۶ھ

ابوالکمال برقؔ

marfat.com

marfat.com